بیادگار حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

جلد نمبر ۶۰ ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ شمارہ نمبر ۲

فروری ۲۰۱۶ء

سالانہ زر تعاون

برائے ہندوستان	:	۲۰۰ روپے
غیر ملکی ہوائی ڈاک	:	۳۵ امریکی ڈالر
فی شمارہ	:	۲۰ روپے
لائف ٹائم خریداری	:	۸۰۰۰ روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی
عائشہ حسنی
جعفر مسعود حسنی
محمود حسن حسنی

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان
۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ
پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)
172/54, Mohammad Ali Lane
Gwynne Road Lucknow
Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے کاکوری آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ۔ فون: 9792913331

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے ۵
- حدیث کی روشنی میں .... امۃ اللہ تسنیم ۶
- نبوت کا کارنامہ .... مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ۸
- سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ .... عبدالمالک ماجد ۱۵
- زندگی سے لطف اٹھائیے! .... ترجمہ: حافظ قمر حسن ۱۸
- عمامہ یا ٹوپی - نبی اکرمؐ کی سنت .... مولانا محمد نجیب قاسمی (ریاض) ۲۱
- مسلم معاشرہ میں رائج توہمات .... مولانا مفتی محمد محبوب شریف نظامی ۲۷
- جھوٹ بری بلا ہے .... محمد بن عبدالرحمٰن العریفی ۲۸
- جنتی پھول .... علامہ سعدی ۳۰
- ظاہری تراش وخراش کا اہتمام .... ادارہ ۳۳
- وجود زن کے مصنوعی رنگ .... پروفیسر محمد عقیل ۳۵
- اختلاف رائے کی صورت میں ہمارا رویہ .... ادارہ ۳۶
- بسنت اور پتنگ بازی .... محترم مرغوب الرحمٰن سہارنپوری ۳۷
- ایک روسی کمیونسٹ خاتون کی داستان .... ادارہ ۴۰-۴۲

اپنی بہنوں سے

آج کل دہشت گردی اتنا بڑا موضوع ہے کہ ہر ملک اس لفظ کی آڑ لے کر اپنے مقاصد پورے کرنے میں لگا ہوا ہے۔ حالانکہ ایک جگہ کا دہشت گرد دوسری جگہ مجاہد ہے اور اسی پر مسلمان عوام وخواص کو تباہ و برباد کرنے کی سازشیں حکومتوں میں بیٹھے ہوئے لوگ کر رہے ہیں اور اس طرح اپنے سے الگ رائے رکھنے والوں کو ختم کرنے کی ناکام کوششیں کر رہے ہیں۔

سعودی عرب میں باقاعدہ مقدمہ چلا کر اور عدالتوں کے ذریعہ دی گئی سزاؤں پر جب عمل کیا گیا تو ایران کی کٹر شیعہ حکومت نے اس کی آڑ میں عرب ملکوں میں تشدد پھیلانے کی پرزور کوشش کی جب کہ خود ایران کا حال یہ ہے کہ کوئی مہینہ خالی نہیں جاتا جس میں سنّی مسلمانوں کو پھانسیاں اور سخت قسم کی سزائیں نہ دی جاتی ہوں اور وہاں تو مقدمہ بھی نہیں چلتا بلکہ وہاں کی شدت پسند شیعہ تنظیمیں جس کو چاہے گرفتار کرلیں اور جو بھی سنّی مسلمانوں کے حقوق کی بات کرے اس کا انجام پھانسی ہی ہوتا ہے۔ مذہبی تعصب کا حال یہ ہے کہ تہران میں سنّی مسلمانوں کو مسجد بنانے کی اجازت نہیں ہے جب کہ ایران میں سنّی مسلمان تیس سے چالیس فیصدی تک ہیں اور کئی علاقوں میں ان کی اکثریت ہے، بلوچستان جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اس پر ایران کا غاصبانہ قبضہ ہے اور وہاں سنّی مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے جو غاصب حکومتیں کرتی رہی ہیں۔

شام میں ڈھائی لاکھ سے زائد مسلمانوں کا قتل عام کرنے والے بشارالاسد کا ایران پوری طرح ساتھ دے رہا ہے ہتھیار گولہ بارود دیئے جا رہے ہیں اور پٹرول کی آمدنی بجائے اپنے ملک میں عوام پر خرچ کرنے کے مسلمان ملکوں میں انتشار پھیلانے اور خونخرابہ کرنے میں خرچ کی جا رہی ہے روس جس کو شام سے کوئی مطلب نہیں اس کو ایران نے مسلمان علاقوں پر بمباری کرنے کے لئے مدعو کر رکھا ہے اور روسی فوج کے اخراجات ایران برداشت کر رہا ہے۔

اسی طرح یمن، بحرین کویت اور دیگر ممالک میں حکومت مخالف عناصر کی سرپرستی ایرانی متشدد شیعہ حکومت کا خاص وظیفۂ حیات ہے، غرض کہ ایران کی موجودہ حکومت ساری دنیا کے لئے ایک ایسی مصیبت ہے جس سے چھٹکارا پانا دنیا کے امن وامان کے لئے بہت ضروری ہے۔

حدیث کی روشنی میں

توبہ

امۃ اللہ تسنیم

توبہ کے شرائط

علماء کا اتفاق ہے کہ ہر گناہ پر توبہ واجب ہے۔ اگر گناہ اللہ اور بندے کے درمیان ہے کسی آدمی کے متعلق نہیں ہے تو اس کی تین شرطیں ہیں۔ اول یہ کہ گناہ سے باز آئے۔ دوسرے یہ کہ اپنے فعل پر نادم ہو، تیسرے یہ کہ ارادہ کرے کہ گناہ کی طرف کبھی نہ پلٹیں گے۔ اگر ان تین شرطوں میں کوئی پوری نہ ہوئی تو توبہ صحیح نہیں ہے۔ اگر گناہ آدمی کے متعلق ہے تو اس کی چار شرطیں ہیں۔ تین تو وہی جو اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ چوتھی یہ کہ جس کا جرم کیا ہو اُسی سے معاف کروائے۔ اگر مال ہو تو اس کو واپس کردے۔ اگر تہمت وغیرہ کی کوئی سزا اس پر واجب ہوتی ہے تو اس کو موقع دے یا معاف کرائے یا غیبت کی ہے تو اُس سے معاملہ صاف کرلے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن میں ستر ستر اور سو سو مرتبہ توبہ اور استغفار کرتے تھے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ خدا کی قسم میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں اور دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ کرتا ہوں۔ (بخاری)

حضرت اغرّ بن یسارؓ المزنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو اور بخشش چاہو، بیشک میں دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔ (مسلم)

اللہ کی خوشی بندے کی توبہ سے

حضرت ابوحمزہؓ انس بن مالک الانصاریؓ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ کی توبہ سے اتنا خوش ہوتا ہے جیسا کہ وہ سوار جس کی سواری مع کھانے پانی کے کسی چٹیل میدان میں کھو جائے اور وہ مایوس ہو کر ایک درخت کے نیچے سو جائے جب آنکھ کھلے تو دیکھے کہ وہ سواری کھڑی ہے۔ پس وہ سوار لگام پکڑ کے خوشی کی شدت میں یوں کہنے لگے کہ اے اللہ تو میرا بندہ ہے میں تیرا رب ہوں۔ اور یہ غلطی انتہائی مسرت میں اس سے صادر ہوئی۔

توبہ کا دروازہ قیامت تک کیلئے کھلا رہے گا

حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ رات کو پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گنہگار توبہ کرلے اور اپنا ہاتھ دن کو پھیلاتا ہے، تاکہ رات کا گنہگار توبہ کرلے یہاں تک کہ سورج اپنے ڈوبنے کی جگہ سے نکلے۔ (مسلم)

سکرات تک توبہ ممکن ہے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بن الخطاب سے روایت ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ مومن بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ خرخراہٹ شروع نہ ہو۔ (ترمذی)

توبہ کا دروازہ بڑا وسیع ہے سورج کے مغرب کی طرف سے نکلنے کے وقت تک کھلا رہے گا

حضرت زر بن جیش سے روایت ہے کہ میں صفوانؓ بن عسال کے پاس آیا۔ اور میں نے چمڑے کے موزے پر مسح کرنے کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے

کہا اے زر، تم کو کون سی حاجت مجھ تک لائی۔ میں نے کہا تلاش علم۔ انہوں نے کہا اس طالب علم کے لئے جو علم کی طلب میں نکلے فرشتے اپنے دونوں بازو پھیلا دیتے ہیں۔ میں نے کہا پائخانہ پیشاب کے بعد چمڑے کے موزے پر مسح کرنے کے متعلق میرے دل میں کھٹک ہے۔ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں ہیں اس لئے میں آپ سے پوچھنے آیا ہوں۔ کیا آپ نے اس بارے میں کچھ سنا ہے؟ کہا ہاں۔ جب ہم مسافرت میں ہوتے تھے تو ہم کو حکم دیتے کہ تین دن اور تین راتیں چمڑے کے موزے پائخانہ پیشاب اور سونے کے بعد اتارنے کی ضرورت نہیں (اس پر مسح کر لینا کافی ہے) سوائے جنابت کی صورت میں (اس میں اُتارنا چاہئے)

میں نے کہا کیا آپ نے محبت کے متعلق کچھ سنا ہے؟ کہا ہاں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھے۔ ہم آپ کے پاس تھے کہ ایک اعرابی نے آپ کو بلند آواز سے پکارا یا محمدؐ۔ پس آپ نے اسی آواز کی طرح جواب دیا، کیا کہتے ہو، میں نے اُس سے کہا ارے نیک بخت ذرا اپنی آواز کو آہستہ کر، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہے اور آپ کے پاس زور سے بولنے کی ممانعت ہے۔ کہا میں اپنی آواز کو آہستہ نہ کروں گا۔ پھر اعرابی نے کہا کہ آدمی لوگوں سے محبت کرتا ہے اور وہ ان کے مرتبہ کا نہیں ہوتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ آدمی جو کسی کے ساتھ محبت کرتا ہے قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سلسلۂ گفتگو میں مغرب کے دروازے کا ذکر کیا کہ اس کی چوڑائی کی مسافت یا یوں فرمایا کہ ایک سوار اس کی چوڑائی میں چالیس یا ستر سال چلے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس دن پیدا کیا جس دن آسمان وزمین پیدا کئے گئے ہیں توبہ کے لئے کھلا ہے بند نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ سورج مغرب سے نکلے۔ (ترمذی وغیرہ)

اللہ کی طرف رجوع کی قیمت

حضرت ابوسعیدؓ الخذری سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگلی قوم میں ایک آدمی تھا جس نے ننانوے خون کئے تھے اس نے زمین میں سب سے بڑے عالم کے متعلق دریافت کیا۔ لوگوں نے ایک راہب کا پتہ دیا۔ وہ اس کے پاس آیا اور کہا میں نے ننانوے خون کئے ہیں، کیا میری توبہ بھی قبول ہوسکتی ہے کہا، نہیں، اُس نے راہب کو بھی قتل کر دیا تو سو پورے ہوگئے۔ پھر روئے زمین کے سب سے زیادہ جاننے والے کے متعلق دریافت کیا۔ لوگوں نے ایک مرد عالم کا پتہ دیا۔ وہ گیا اور کہا میں نے سو آدمی قتل کئے ہیں کیا میری بخشش ہوسکتی ہے؟ کہا ہاں! کونسی چیز تمہارے اور توبہ کے درمیان حائل ہے تم فلاں زمین کی طرف جاؤ۔ وہاں کچھ لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ تم بھی ان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرو اور پھر اس زمین کی طرف قصد نہ کرنا کیونکہ یہ جگہ تمہارے لئے بری ہوگئی ہے۔ وہ روانہ ہوا اور آدھا راستہ طے ہوا تھا کہ موت کا پیغام آیا۔ رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے جھگڑنے لگے۔ رحمت کے فرشتے نے کہا کہ یہ تائب ہو کر اور اپنے دل کو خدا کی طرف متوجہ کرتے ہوئے آیا ہے۔ عذاب کے فرشتے نے کہا کہ اس نے کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا۔ اسی وقت ایک فرشتہ آدمی کی صورت میں آیا تو انہوں نے اس کو اپنے درمیان فیصلہ کرنے والا بنایا۔ اس نے کہا دونوں زمینوں کو ناپو، کون سی زمین اس کے قریب ہے۔ انہوں نے ناپا تو اُس زمین کو زیادہ قریب پایا جس کی طرف وہ جا رہا تھا تو رحمت کے فرشتے نے روح قبض کی۔ (بخاری۔ مسلم)

ایک صحیح روایت میں ہے کہ اُس نیک بستی کے قریب ایک بالشت سے زیادہ تھا تو اُس کے رہنے والوں میں شمار کیا گیا۔

اور ایک صحیح روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو حکم دیا کہ دُور ہوجا اور اس زمین کو حکم دیا کہ قریب ہوجا اور کہا دونوں زمینوں کو ناپو جب ناپا تو اُس زمین کو ایک بالشت قریب پایا۔ پس اس کو بخش دیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اس آدمی نے اپنے کو گھسیٹ کے اُس زمین کے قریب کیا۔

❖❖❖

نبوت کا کارنامہ

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی و نبوت کے ذریعہ اپنے پیغمبروں کو انسانوں کی اصلاح و تکمیل پر مامور فرمایا اور ان حضرات نے اپنی دعوت و محنت کا موضوع انسان کو بنایا، انبیاء علیہم السلام کی بصیرت پر اللہ تعالیٰ نے یہ نکتہ فاش کیا کہ اس دنیا کی قسمت اور اس کی آبادی و ویرانی کا فیصلہ انسان پر معلق ہے، اگر حقیقی انسان موجود ہے تو یہ دنیا اپنی سب ویرانیوں اور بے سروسامانیوں کے ساتھ آباد و معمور ہے اور اگر حقیقی انسان موجود نہیں تو یہ دنیا اپنی ساری رونقوں اور اپنے ساز و سامان کے ساتھ ایک ویرانہ اور خرابہ سے بہتر نہیں، اس دنیا کی بدقسمتی آلات و وسائل کی کمی اور فقدان سے نہیں، بلکہ ان کے غلط استعمال سے ہے، دنیا کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ اس کو انسان کی غلط اندیشی اور بے راہ روی نے تباہ کیا، آلات و وسائل نے اس تباہی اور ہلاکت خیزی میں صرف اضافہ کیا۔

پھر انسان اپنی عظمت، وسعت، اپنی مرکزیت اور اپنی حکیمانہ صفت کے اعتبار سے کہیں زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو سعی و محنت اور توجہ و خدمت کا موضوع بنایا جائے، یہ کائنات بڑی پراسرار، بڑی پراز عجائبات، بڑی حسین و جمیل، بڑی طویل و عریض ہے، لیکن انسان کی فطرت کے اسرار و عجائبات اس کے مخفی خزانوں اور دفینوں، اس کے قلب کی وسعتوں، اس کے دماغ کی بلند پروازوں، اس کی روح کی بے تابیوں اور گرمجوشیوں، اس کی غیر مختتم تمناؤں اور ناآسودہ حوصلوں، اور اس کی غیر محدود صلاحیتوں کے سامنے اس کی کوئی حقیقت نہیں، ایسی کئی دنیائیں اس کے قلب کی وسعتوں میں اور یہ سارے سمندر اس کے دل کی گہرائیوں میں گم ہو جائیں، پہاڑ اس کے یقین کا، آگ اس کی محبت کے سوز کا، سمندر اس کے قطرۂ اشک کا مقابلہ نہیں کرسکتے، اس کی حسن سیرت کے سامنے دنیا کا ہر حسن ماند ہے، اس کے عزم و ارادہ کے آگے ہر طاقت سرنگوں ہے، اس انسان میں صحیح یقین، صحیح خواہش اور صحیح ملکات اور اخلاق کا پیدا کرنا اور اس سے خلافت الٰہی کا کام لینا نبوت کا اصل کارنامہ ہے۔

ہر نبوت نے اپنے دور میں یہ کارنامہ انجام دیا اور ایسے افراد تیار کئے، جنھوں نے اس دنیا کو نئی زندگی بخشی اور زندگی کو (جو انسان کی خود فراموشی اور غلط اندیشی سے) بے معنی ہوگئی تھی، بامعنی بنایا، نبوت کے ان کارناموں میں جو زندگی کی پیشانی پر درخشاں و تاباں ہیں سب سے روشن کارنامہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کارنامہ ہے، جس کی سب سے زیادہ تفصیلات تاریخ میں محفوظ ہیں، مردم سازی و آدم گری کے اس کام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کامیابی عطا فرمائی وہ آج تک کسی انسان کو حاصل نہیں ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سطح سے تعمیر انسانیت کا کام شروع کیا، اس سطح سے کسی پیغمبر اور کسی مصلح اور کسی مربی کو شروع کرنے کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی تھی، یہ وہ سطح تھی جہاں حیوانیت کی سرحد ختم ہوتی تھی اور انسانیت کی سرحد شروع ہوتی تھی، اور جس سطح پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو پہنچایا اس سطح تک کبھی تعمیر انسانیت کا کام نہیں پہنچا تھا، جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی انتہائی پستی سے کام شروع کیا اسی طرح انسانیت کی آخری بلندی تک اس کام کو پہنچایا، آپ کے تیار کئے ہوئے افراد میں سے ایک ایک نبوت کا شاہکار ہے اور نوع انسانی کے شرف و افتخار کا باعث انسانیت کے مرقع میں بلکہ اس پوری کائنات میں پیغمبروں کو چھوڑ کر اس سے زیادہ حسین و جمیل، اس سے زیادہ دلکش و

دلآویز تصویر نہیں ملتی جوان کی زندگی میں نظر آتی ہے، ان کا پختہ یقین، ان کا گہرا علم، ان کا سچا دل، ان کی بے تکلف زندگی، ان کی بے نفسی و خدا ترسی، ان کی پاکبازی و پاکیزگی، ان کی شفقت و رافت اور ان کی شجاعت وجلادت، ان کا ذوق عبادت اور ان کا شوق شہادت، ان کی شہسواری اور ان کی شب زندہ داری، ان کی سیم وزر سے بے پرواہی اور ان کی دنیا سے بے رغبتی، ان کا عدل اور ان کا حسن انتظام، دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، نبوت کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے انسانی افراد تیار کیے، ان میں سے ایک ایک فرد ایسا تھا جو اگر تاریخ شہادت پیش نہ کرتی اور دنیا اس کی تصدیق نہ کرتی تو ایک شاعرانہ تخیل اور ایک فرضی افسانہ معلوم ہوتا لیکن وہ تاریخ کی ایک حقیقت ہے، وہ ایک ایسا انسانی وجود تھا جس میں نبوت کے اعجاز نے متضاد اوصاف وکمالات پیدا کردیئے تھے۔

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولی صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز
اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
ساقی ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادہ ہے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصیل

یہ فرد جب تیار ہوگیا تو یہ بندگی اور زندگی کے ہر محاذ پر کارآمد، مستعد اور قیمتی ثابت ہوا، اور جو خدمت اس کے سپرد کی گئی اس نے اپنی اہلیت وصلاحیت اور اپنی فرض شناسی اور احساس ذمہ داری اور اپنے ذوق عمل اور جذبۂ خدمت کا ثبوت دیا، اس کو اگر فیصلہ اور ثالثی کا کام سپرد کیا گیا تو وہ بہترین قاضی اور لائق جج ثابت ہوا جس نے ترازو کے تول فیصلہ کیا، وہ اگر فوجوں کا سپہ سالار اور قائد مقرر ہوا تو اس نے اپنی جنگی قابلیت، بیدار مغزی اور شجاعت اور مرحمت کا ثبوت دیا، اگر فوجوں کی کمان اس کے حوالہ کردی گئی تو ایک مستعد اور کارگزار اور ایک جری اور جانباز سپاہی ثابت ہوا، اگر اس کو فوجوں کی قیادت کے منصب علیا سے معزول کردیا گیا تو اس کی پیشانی پر ناراضگی کی ایک شکن اور اس کی زبان پر شکایت کا ایک حرف نہیں آیا، اور لوگوں نے اس کی مستعدی اور جوش ونشاط میں کوئی فرق محسوس نہیں کیا، اگر وہ نوکروں کا آقا اور محکمہ کا افسر تھا تو ایک فراخ دل اور شفیق آقا اور ایک خیر خواہ اور محبت کرنے والا بزرگ خاندان، اور اگر وہ مزدور واجیر تھا تو وہ ایک فرض شناس ومستعد مزدور تھا، جس کو اپنی مزدوری کے اضافہ سے زیادہ کام کے اضافہ کی فکر تھی، وہ فرد اگر فقیر تھا تو فقیر صابر وقانع اور اگر غنی تھا تو غنی شاکر اور محسن، وہ اگر عالم تھا تو علم کو عام کرنے اور لوگوں کو خدا کا راستہ بتلانے کا حریص اور اپنے علم کی تقسیم میں فیاض، اور اگر طالب علم تھا تو علم صحیح کے حصول کا شائق اور اس کو اعلیٰ درجہ کی عبادت سمجھ کر اس کی طلب میں منہمک اور اس کے لئے بڑی سے بڑی محنت اور بڑی سے بڑی خدمت کرنے والا تھا اور اگر وہ کسی شہر کا حاکم تھا تو راتوں کو پہرہ دینے والا اور دن کو انصاف کرنے والا تھا، غرض یہ فرد انسانی معاشرہ کے جس مقام اور جس محاذ پر تھا، نگینہ کی طرح جڑا ہوا تھا۔

دنیا کی سب سے زیادہ نازک اور خطرناک ذمہ داری (حکومت) جب اس کے سپرد ہوئی تو اس نے زہد وفقر اور ایثار و قربانی اور جفاکشی وسادگی کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ دنیا محو حیرت رہ گئی اور ابھی تک اس کے تحیر میں کوئی کمی نہیں، آیئے ہمارے ساتھ خلافت راشدہ کے ان واقعات کو پڑھ لیجئے، عہد صدیقی کا مؤرخ لکھتا ہے:

"ایک روز حضرت ابوبکرؓ کی بیوی نے شیرینی کی فرمائش کی جواب دیا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ اجازت ہو تو میں خرچ میں سے کچھ دام بچا کر جمع کرلوں، فرمایا: جمع کرو، کچھ روز میں چند پیسے جمع ہوگئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیئے کہ شیرینی لادو، پیسے لے کر کہا معلوم ہوا کہ یہ خرچ ضرورت سے زیادہ ہیں، لہٰذا بیت المال کا حق ہے، چنانچہ وہ

پیسے خزانہ میں جمع کردیے اور اسی قدر اپنا وظیفہ کم کردیا۔" (سیرۃ الصدیق صدریار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم)

آپ نے بہت سی مملکتوں کے بادشاہوں اور بہت سی جمہوریتوں کے سربراہوں کے سرکاری دوروں کی روداد سنی ہوگی اور ان کے شاہانہ تزک، احتشام اور کروفر کا تماشا دیکھا ہوگا، ساتویں صدی مسیحی کے سب سے بڑے طاقتور فرماں روا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سرکاری دورہ (سفر شام) کی روداد مؤرخ کی زبان سے سنئے، مولانا شبلی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "الفاروق" میں 16 ہجری کے سفر بیت المقدس کا حال بیان کرتے ہوئے مستند عربی تاریخوں کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"ناظرین کو انتظار ہوگا کہ فاروق اعظم کا سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا کس سروسامان سے ہوگا؟ لیکن یہاں نقارہ نوبت، خدم وحشم، لاؤ لشکر ایک طرف، معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا، سواری میں ایک گھوڑا تھا اور چند مہاجرین وانصار ساتھ تھے، تاہم جہاں یہ آواز پہنچی تھی کہ فاروق اعظم نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے زمین دہل جاتی تھی۔

جابیہ میں دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی یہیں لکھا گیا، معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا ارادہ کیا، گھوڑا جو سواری میں تھا، اس کے سم گھس کر تمام ہوگئے تھے اور رک رک کر قدم رکھتا تھا، حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر اتر پڑے، لوگوں نے ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا، گھوڑا شوخ اور چالاک تھا، حضرت عمرؓ سوار ہوئے تو اُلیل کرنے لگا، فرمایا: کمبخت یہ غرور کی چال تو نے کہاں سیکھی؟ یہ کہہ کر اتر پڑے اور پیادہ پا چلے، بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابوعبیدہؓ اور سرداران فوج استقبال کو آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لباس اور سروسامان جس معمولی حیثیت کا تھا اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے، چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور عمدہ قیمتی پوشاک حاضر کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: "خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لئے یہی بس ہے۔"

(الفاروق، ص/105-106)

دوسرے سفر شام 18 ہجری کا حال بھی سن لیجئے:

"حضرت عمرؓ نے شام کا قصد کیا، حضرت علیؓ کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے، یرفا ان کا غلام اور بہت سے صحابہؓ ساتھ تھے، ایلہ کے قریب پہنچے، کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اس کے اونٹ پر سوار ہوئے، راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے پوچھتے تھے کہ امیر المؤمنین کہاں ہیں؟ فرماتے کہ تمہارے آگے، اسی حیثیت سے ایلہ میں آئے اور یہاں دو ایک روز قیام کیا، گزی کا کرتہ جو زیب بدن تھا، کجاوے کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا، مرمت کے لئے ایلہ کے پادری کے حوالہ کیا، اس نے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے اور اس کے ساتھ ایک نیا کرتہ تیار کرکے پیش کیا، حضرت عمرؓ نے اپنا کرتہ پہن لیا اور کہا: اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔" (الفاروق، ص/113)

خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ کی سیرت کے مختلف پہلو اور ان کے محاسن اخلاق کتابوں میں متفرق و منتشر موجود ہیں، ان سب کو جمع کرکے آپ اپنے ذہن میں ایک فرد کی مکمل زندگی اور پوری تصویر تیار کرسکتے ہیں، لیکن خوش قسمتی سے ان میں سے ایک (سیدنا علیؓ بن ابی طالب) کا پورا اخلاقی سراپا اور ان کی زندگی کی تصویر ہمارے لیٹریچر میں موجود ہے، ان کو پڑھئے اور دیکھئے کہ ایک انسان کی سیرت واخلاق کی اس سے زیادہ حسین و دلکش تصویر کیا ہوسکتی ہے اور نبوت نے اپنی تعلیم وتربیت اور اپنی مردم سازی و کیمیا گری کے کیسے یادگار نمونے چھوڑے ہیں، ان کی خدمت میں شب وروز رہنے والے ایک رفیق ضرار بن ضمرہ اس طرح ان کی تصویر کھینچتے ہیں:

"بڑے بلند نظر، بڑے عالی ہمت، بڑے طاقتور، جچی تلی گفتگو فرماتے، حق و انصاف کے مطابق فیصلہ فرماتے، زبان و دہن سے علم کا چشمہ ابلتا، ہر ہر ادا سے

حکمت ٹپکتی، دنیا اور بہارِ دنیا سے وحشت تھی، رات اور رات کی تاریکی میں خوش رہتے، آنکھیں پرآب، ہروقت فکروغم میں ڈوبے ہوئے، رفتارِ زمانہ پر متعجب، نفس سے ہروقت مخاطب، کپڑا وہ مرغوب جو موٹا جھوٹا ہو، غذا وہ مرغوب جو غریبانہ اور سادہ ہو، کوئی امتیازی شان پسند نہیں کرتے تھے، جماعت کے ایک فرد معلوم ہوتے تھے، ہم سوال کرتے تو یہ جواب دیتے، ہم حاضر خدمت ہوتے تو سلام و مزاج پرسی میں پہل کرتے، ہم مدعو کرتے تو دعوت قبول فرماتے، لیکن اس قرب و مساوات کے باوجود رعب کا یہ عالم تھا کہ بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی اور سلسلۂ سخن کا آغاز کرنا مشکل ہوتا، اگر کبھی مسکراتے تو دانت موتی کی لڑی معلوم ہوتے، دینداری کی عزت اور مساکین سے محبت کرتے تھے، لیکن اس تواضع و مسکنت کے باوجود کسی طاقتور اور دولت مند کی مجال نہ تھی کہ ان سے کوئی غلط فیصلہ کروالے یا ان سے کوئی رعایت حاصل کرلے اور کمزور کو ہروقت ان کے عدل و انصاف کا بھروسہ تھا۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان کو ایک شب ایسی حالت میں دیکھا کہ رات نے اپنی ظلمت کے پردے ڈال دیئے تھے اور ستارے ڈھل چلے تھے، آپ اپنی مسجد کی محراب میں کھڑے تھے، داڑھی مٹھی میں تھی، اس طرح تڑپ رہے تھے جیسے سانپ نے ڈس لیا ہو، اس طرح رو رہے تھے جیسے دل پر چوٹ لگی ہو، اس وقت میرے کانوں میں ان کے یہ الفاظ گونج رہے ہیں: ”اے دنیا! اے دنیا! کیا تو میرا امتحان لینے چلی ہے اور مجھے بہکانے کی ہمت کی ہے، مایوس ہوجا، کسی اور کو فریب دے، میں نے تو تجھے ایسی تین طلاقیں دی ہیں جن کے بعد رجعت کا کوئی سوال نہیں، تیری عمر کوتاہ، تیرا عیش بے حقیقت، تیرا خطرہ زبردست، ہائے زادِ راہ کس قدر کم ہے، سفر کتنا طویل اور راستہ کتنا وحشت ناک ہے۔“ (صفوۃ الصفوۃ ابن جوزی، ج/1)

نبوت کا یہ کارنامہ زمانہ بعثت اور پہلی صدی ہجری کے ساتھ مخصوص نہیں، آپ کی تعلیمات نے اور آپ کے صحابہ کرام نے زندگی کے جو نمونے چھوڑے تھے، وہ مسلمانوں کی بعد کی نسلوں اور وسیع عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں ہر شعبۂ زندگی اور صنف کمال میں عظیم انسان پیدا کرتے رہے جن کی انسانی بلندی شک و شبہ اور اختلافات سے بالا تر ہے، اس لازوال ”مدرسۂ نبوت“ کے فضلاء اور تربیت یافتہ (جنھوں نے صرف اسی مدرسہ سے انسانیت و اخلاق اور خداشناسی اور انسان دوستی کا سبق لیا تھا) اپنے اپنے زمانہ کی زیب و زینت اور انسانیت کے شرف و عزت کا باعث ہیں، کسی مؤرخ اور کسی بڑے سے بڑے مصنف اور محقق کی یہ طاقت نہیں کہ ان لاکھوں اہل یقین اور اہل معرفت کے ناموں کی صرف فہرست بھی پیش کرسکے، جو اس تعلیم کے اثر سے مختلف زمانوں اور مختلف مقامات پر پیدا ہوتے رہے، پھر ان کے مکارم اخلاق، ان کی بلند انسانیت، ان کے روحانی کمالات کا احاطہ تو کسی طرح ممکن نہیں، ان کے حالات کو (جو کچھ بھی تاریخ محفوظ کرسکی ہے) پڑھ کر عقل حیران ہوتی ہے کہ یہ خاکی انسان روحانی ترقی، نفس کی پاکیزگی، حوصلہ کی بلندی، انسانی ہمدردی، طبیعت کی فیاضی، ایثار و قربانی، دولت دنیا سے بے نیازی، سلاطین وقت سے بے خوفی، خداشناسی و خدادانی اور غیبی حقیقتوں پر ایمان و یقین کے ان حدود اور بلندیوں تک بھی پہنچ سکتا ہے؟ ان کے یقین نے لاکھوں انسانوں کے دلوں کو یقین سے بھردیا، ان کے عشق نے لاکھوں انسانوں کے سینوں کو عشق کی حرارت اور سوز سے گرم و روشن کردیا، ان کے اخلاق نے خونخوار دشمنوں کو جاں نثار اور لاکھوں حیوان صفت انسانوں کو حقیقی انسان بنادیا، ان کی صحبت اور ان کے فیض و تاثیر نے خدا طلبی اور خداترسی اور انسان دوستی کا عام ذوق پیدا کردیا، ہمارا ملک ہندوستان اس بارے میں بڑا خوش نصیب ہے کہ وہ اپنے آغوش میں بہ کثرت ایسے مردانِ خدا کو لئے ہوئے ہے جنھوں نے اپنے عہد میں انسانیت کو بلند اور انسان کا نام روشن کیا تھا۔

بادشاہوں کی صف میں بھی جو کشورستانی اور ملک گیری اور عیش کوشی کے سوا کچھ نہیں جانتے تھے، اس تعلیم نے ایسے درویش صفت اور زاہد سیرت بادشاہ پیدا کئے جنہوں نے زہد و ایثار کا ایسا نمونہ پیش کیا جس کی نظیر تارک الدنیا درویشوں اور گوشہ نشین فقیروں کے یہاں بھی مشکل ہے، تاریخ اسلام کے ہر دور اور عالم اسلام کے ہر گوشہ میں ایسی شخصیتیں ملتی ہیں کہ بقول علامہ اقبال ع

جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنتِ اہل دیں فقر ہے شاہی نہیں

"مدرسۂ نبوت" کے ان فیض یافتہ سلاطین میں جن کی فہرست طویل ہے آپ صرف سلطان صلاح الدین ایوبی کا حال پڑھیں، چھٹی صدی ہجری میں مشرق وسطی کے اس سب سے بڑے حکمراں (جو کردستان کے پہاڑوں سے لے کر صحرائے نوبہ تک حکومت کرتا تھا) کے متعلق اس کا سکریٹری قاضی ابن شداد شہادت دیتا ہے:

"زکوٰۃ فرض ہونے کی ساری عمر نوبت نہیں آئی، اس لئے کہ انہوں نے کبھی اتنا پس انداز ہی نہیں کیا جس پر زکوٰۃ فرض ہو، ان کی ساری دولت صدقات و خیرات میں خرچ ہوئی، صرف سینتالیس درہم ناصری اور ایک سونے کا سکہ چھوڑا، باقی کوئی جائداد و ملکیت، کوئی مکان، باغ، گاؤں، زراعت نہیں چھوڑی، ان کی تجہیز و تدفین میں ایک پیسہ بھی ان کی میراث سے صرف نہیں ہوا، سارا سامان قرض سے کیا گیا، یہاں تک قبر کے لئے گھاس کے پولے بھی قرض سے آئے کفن کا انتظام ان کے وزیر و کاتب قاضی فاضل نے کسی جائز و حلال ذریعہ سے کیا۔" (النوادر السلطانیہ)

انسانی بلندی، شرافت نفس، عالی حوصلگی کے اعتبار سے بھی سلطان تاریخ کے عظیم ترین انسانوں میں شمار ہونے کے قابل ہے، بیت المقدس کی فتح کے موقع پر عیسائی فاتحین کے برخلاف (جنہوں نے ظلم و سفاکی کی ایک نظیر قائم کردی تھی) سلطان نے جس شفقت و مرحمت اور جس احسان و فیاضی کا مظاہرہ کیا، اس کا ذکر کرتے ہوئے ان کا مغربی سوانح نگار اسٹینلی لین پول (Staneley Lane Pool) لکھتا ہے:

"اگر سلطان صلاح الدین کے کاموں میں صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اس نے کس طرح یروشلم کو بازیاب کیا تو صرف یہی کارنامہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانہ کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلالت و شہامت میں یکتا اور بے مثل شخص تھا۔" (سلطان صلاح الدین، ص/205)

آپ نے جہاں مشرق وسطی کے ایک عظیم الشان حکمراں کے احسان و فیاضی کا واقعہ سنا، خود اپنے ملک کے ایک مسلمان بادشاہ کا واقعہ بھی سنتے چلئے جو خلوص و فیاضی، ایثار اور بلندی حوصلگی کا ایک اور نمونہ ہے، یہ دسویں صدی ہجری کے ایک طاقتور فرمانروا مظفر حلیم سلطان گجرات (م 932ھ) کا واقعہ ہے کہ جس نے محمود شاہ خلجی کی مدد کے لئے (جو غاصبوں کے ہاتھوں تخت و تاج سے محروم ہوگیا تھا اور اس کی سلطنت پر اس کے نمک خواروں نے قبضہ کرلیا تھا) مانڈو پر حملہ کیا تھا اور اس کو فتح کرلیا تھا، واقعہ مؤرخ گجرات کی زبان سے سنئے:

"تسخیر قلعہ کے بعد جس وقت مظفر حلیم اندر داخل ہوا اور امرائے ہمرکاب نے شاہان مالوہ کے سامان تجمل اور خزائن و دفائن کو ملاحظہ کیا اور اس ملک کی سرسبزی و شادابی پر اطلاع پائی تو انہوں نے جسارت کر کے مظفر شاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس جنگ میں تقریباً دو ہزار سوار جرار درجۂ شہادت کو پہنچ چکے ہیں، یہ مناسب نہیں ہے کہ اس قدر نقصان اٹھانے کے بعد پھر ملک کو اسی بادشاہ کے حوالہ کردیا جائے جس کی سوء تدبیری سے مندلی رائے نے اس پر قابو پالیا تھا، بادشاہ نے یہ سنتے ہی سیر موقوف کی اور قلعہ سے باہر نکل کر محمود شاہ کو ہدایت فرمائی کہ اس کے ہمرکاب لوگوں میں سے کسی کو قلعہ کے اندر نہ جانے دے، محمود نے باصرار تمام اس بات کی التجا کی بادشاہ چند

روز قلعہ کے اندر آرام فرمائیں، مگر مظفر شاہ نے اس التجا کو قبول نہ فرمایا اور بعد کو خود ظاہر کیا کہ میں نے یہ جہاد و غزا محض خداوند برحق کی رضامندی حاصل کرنے کو کیا تھا، مجھ کو امراء کی تقریر سے اس بات کا اندیشہ ہوا کہ مبادا کوئی خطرۂ فاسد میرے دل میں پیدا ہو اور میرا خلوص نیت برباد ہو جائے، میں نے محمود پر کچھ احسان نہیں کیا، بلکہ خود محمود کا مجھ پر احسان ہے کہ اس کی وجہ سے مجھ کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔" (یاد ایام بحوالہ مرآۃ سکندری)

میں یہ نہیں کہتا کہ سارے سلاطین وفرمانروا جو اسلامی عہد میں گزرے وہ نورالدین وصلاح الدین، ناصرالدین محمود اور سلطان مظفر حلیم کا نمونہ تھے، لیکن آپ کو جن فرمانرواؤں میں انسانی بلندی، خداترسی، فقر وزہد، ایثار وقربانی اور شفقت و مرحمت کی شان نظر آتی ہے اور ان میں سے جو اپنے زمانہ کی سطح سے بلند، بادشاہوں کی روایات سے الگ اور زمانے سے نرالے دکھائی دیتے ہیں وہ صرف نبوت کے فیض اور دینی جذبہ کا نتیجہ ہیں، آپ اگر ان کی زندگی اور سوانح حیات کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو سراغ لگانے میں دقت نہیں ہوگی کہ ان سب کا تعلق واتصال (تعلیم وتربیت، تعلق ومحبت، اتباع واطاعت کے ذریعہ سے) اسی ایک سرچشمۂ ہدایت سے تھا، جس نے ہر دور میں عظیم ترین انسان پیدا کئے خواہ ان کا زمانہ کتنا ہی دور ہو، دراصل یہ سب اسی درسگاہ نبوت کے فیض یافتہ ہیں جس نے تعمیر انسانیت کا کام سب سے وسیع پیمانہ پر اور سب سے اعلیٰ سطح پر انجام دیا اور جس کا فیض اب بھی انسانیت کے چراغ کو روشن کئے ہوئے اور جہاں کہیں روشنی ہے، اسی ایک چراغ کا پرتو ہے:

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتوِ آں
ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند

ہماری جدید تہذیب اور موجودہ فکری قیادت، معاشرۂ انسانی کی ذمہ داریاں سنبھالنے والے افراد تیار کرنے اور انسان کی سیرت سازی میں بری طرح ناکام رہی، وہ سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرسکتی ہے، وہ خلاء میں سفر کرنے کے لئے محفوظ و سریع السیر آلات تیار کرسکتی ہے، وہ انسان کو چاند اور سیاروں پر پہنچا سکتی ہے، وہ ذراتی طاقت سے بڑے بڑے کام لے سکتی ہے، وہ ملک سے غریبی دور کرسکتی ہے، وہ علم و ہنر کو آخری نقطۂ عروج پر پہنچا سکتی ہے، وہ پوری کی پوری قوم اور ایک ملک کی آبادی کو خواندہ وتعلیم یافتہ بنا سکتی ہے، اس کی ان کامیابیوں اور فتوحات سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں، لیکن وہ صالح اور صاحب یقین افراد پیدا کرنے سے بالکل عاجز ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی ناکامی اور بدقسمتی ہے، اور اسی وجہ سے صدیوں کی محنتیں ضائع و برباد ہورہی ہیں، اور ساری دنیا مایوس اور انتشار کا شکار ہے، اور اب اس کا سائنس اور علم پر سے بھی اعتقاد اٹھ رہا ہے، اندیشہ ہے کہ دنیا میں ایک شدید ردعمل کی تحریک اور علم وتمدن کے خلاف بغاوت کے دور کا آغاز نہ ہوجائے، فاسد افراد نے معصوم اور صالح وسائل کو بھی فاسد بلکہ آلۂ فساد وتخریب بنادیا ہے، فاسد وکمزور تختوں سے کوئی صالح اور مضبوط سفینہ تیار نہیں ہوسکتا، یہ بالکل مغالطہ اور خام خیالی ہے کہ فاسد تختے علاحدہ علاحدہ فاسد، کمزور اور ناقابل اعتماد ہیں، لیکن جب ان کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا جائے اور ان سے کوئی سفینہ تیار کیا جائے تو ان کی قلب ماہیت ہوجاتی ہے اور وہ صالح بن جاتے ہیں، رہزن اور چور علاحدہ تو رہزن اور چور ہیں لیکن جب وہ اپنی جماعت بنالیں تو وہ پاسبانوں اور ذمہ داروں کی ایک مقدس جماعت ہے، نئی فکری قیادت نے جو افراد دنیا کو عطا کئے ہیں وہ ایمان ویقین سے خالی، ضمیر انسانی سے عاری، حاسۂ اخلاقی سے محروم، محبت وخلوص کے مفہوم سے ناآشنا، انسانیت کے شرف واحترام سے غافل ہیں، وہ تو لذت وعزت کے فلسفہ سے واقف ہیں یا صرف قوم پرستی اور وطن دوستی کے مفہوم سے آشنا ہیں، اس نوعیت و صلاحیت کے افراد خواہ جمہوری نظام کے سربراہ ہوں یا اشتراکی نظام کے ذمہ دار، کبھی کوئی صالح معاشرہ، پرامن ماحول اور خدا ترس

دیا کہاز سوسائٹی قائم نہیں کرسکتے اوران پر خدا کی مخلوق اورانسانی کنبہ کی قسمت کے بارے میں کبھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

اس دنیا میں صالح ترین افراد اور صالح ترین معاشرہ صرف نبوت نے تیار کیا ہے اور اسی کے پاس قلب کو بدلنے اور گرمانے، نفس کو جھکانے اور جمانے، نیکی و پاکبازی کی محبت اور گناہ اور بدی سے نفرت پیدا کرنے، مال و زر، ملک و سلطنت، عزت و وجاہت اور ریاست و تفوق کی سحرانگیزی ترغیبات کا مقابلہ کرنے کی طاقت پیدا کرنے کی صلاحیت ہے، اور وہی افراد جوان صلاحیتوں کے مالک ہوں، دنیا کو ہلاکت سے اور تہذیب جدید کو تباہی سے بچاسکتے ہیں۔

نبوت نے دنیا کو سائنس نہیں دی، ایجادیں نہیں عطا کیں، اس کو نہ اس کا دعویٰ ہے، نہ ایسا نہ کرنے پر شرمندگی اور معذرت، اس کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے دنیا کو وہ افراد عطا کئے جو خود صحیح راستہ پر چل سکتے ہیں اور دنیا کو چلاسکتے ہیں، اور ہر اچھی چیز سے خود نفع اٹھاسکتے ہیں اور دوسروں کو پہنچاسکتے ہیں اور دنیا کو چلاسکتے ہیں اور جو ہر قوت اور نعمت کو ٹھکانے لگاسکتے ہیں، جو اپنی زندگی کے مقصد سے واقف اور اپنے پیدا کرنے والے سے آشنا ہیں، اور اس کی ذات سے استفادہ کرنے اور اس سے مزید نعمتیں حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، انہیں کا وجود اصل انسانیت کا سرمایہ اور انہیں کی تربیت نبوت کا اصل کارنامہ ہے۔

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف بیس روپے اور سالانہ خریداری -/200 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم "ادارہ رضوان" کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاددہانی ہوسکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ "رضوان" خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔

آپ کا تعاون اس دینی سعی و کاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور "رضوان" کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

عبدالمالک ماجد

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

کی زندگی کے سنہرے واقعات

سیدنا عمرؓ کا امتیازی کردار

غزوہ بنو مصطلق میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کردار بہت نمایاں تھا۔ ہوا یوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوے سے فارغ ہو کر ابھی مریسیع کے چشمہ پر ہی قیام پذیر تھے کہ کچھ لوگ چشمہ سے پانی لینے گئے۔ ان میں سیدنا عمر فاروقؓ کا ایک مہاجر مزدور جہجاہ بن قیس غفاری بھی تھا۔ اس کی ایک انصاری سنان بن وبر جہنی سے پانی لینے پر تکرار ہوگئی اور دونوں آپس میں لڑ پڑے۔

سنان جہنی نے اپنے لوگوں کو پکارا اور ندا لگائی: "یا معشر الانصار! انصار کے لوگو! مدد کے لئے پہنچو۔" ادھر جہجاہ نے آواز دی: یا معشر المہاجرین! مہاجر بھائیو! مدد کو پہنچو۔" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خبر پاتے ہی وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا: یہ کیسی آوازیں سن رہا ہوں۔ ایسے تو زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے قبیلوں کو پکارا کرتے تھے۔ "دعوھا فانھا منتنة" اس پکار کو چھوڑ دو یہ متعفن ہے۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے سنا تو بولا: کیا واقعی اس مہاجر نے ایسا کیا ہے؟ خبردار! اللہ کی قسم! جب ہم واپس مدینہ پہنچیں گے تو ہم میں سے عزت والا ذلت والے کو مدینہ سے نکال باہر کرے گا۔ سیدنا عمرؓ نے اس کی یہ بات سن لی۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا: اللہ کے رسولؐ مجھے اجازت دیجئے، میں اس منافق کی گردن اتار دوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے چھوڑ دو۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ کہیں محمد اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرنے لگا ہے۔

اسلام دشمنوں کے لئے ننگی تلوار

رمضان المبارک 8 ہجری میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہران نامی جگہ تشریف لائے تو ابوسفیان کو اپنی جان کا ڈر پیدا ہوگیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے معافی نامہ دلوانے کی پیشکش کی، ابوسفیان اس پر آمادہ ہوگیا۔ سیدنا عباسؓ اس قصے کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

میں نے ابوسفیان سے کہا: تیرا ستیاناس! اللہ کے رسول تو اب سر پر آن پہنچے۔ اللہ کی قسم، قریشیو! اپنی جانیں بچاؤ ورنہ مارے جاؤ گے۔ ابوسفیان بولا: عباس! تم پر میرے ماں باپ قربان! اب کون سا حیلہ اختیار کرنا ہوگا؟ میں نے جواب دیا: اگر تو پکڑا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور تجھے قتل کر دیں گے۔ تم میرے خچر پر سوار ہو جاؤ، میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امان لے دیتا ہوں۔ ابوسفیان میرے پیچھے سوار ہو گیا۔ میں اسے لے کر چلا۔ راستے میں جب ہم مسلمانوں کے کسی روشن الاؤ کے قریب سے گزرتے تو وہ پوچھتے: یہ کون ہے؟ جب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر مجھے دیکھتے تو صرف اتنا کہتے: اللہ کے رسول کے خچر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں، پھر وہ راستے سے ہٹ جاتے تھے۔ جب میں سیدنا عمرؓ کے قریب سے گزرا تو انہوں نے کہا: یہ کون ہے؟ عباسؓ فرماتے ہیں: سیدنا عمرؓ فوراً میری طرف بڑھے۔ ابوسفیان کو میرے پیچھے سوار دیکھا تو چیخ اٹھے: اللہ کا دشمن ابوسفیان! اللہ کا شکر ہے کہ تو کسی پیشگی عہد اور امان کے بغیر ہی قابو آ گیا۔ یہ سن کر ابوسفیان بھاگ کھڑا ہوا اور جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا۔ سیدنا عمرؓ بھی اس کا پیچھا کرتے ہوئے آ پہنچے۔ سیدنا عمرؓ نے کہا:

اللہ کے رسول! ابوسفیان کسی عہد کے بغیر ہی قابو آ گیا ہے۔ مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن اُڑا دوں۔

سیدنا عباسؓ کہتے ہیں: میں نے کہا اللہ کے رسول! ابوسفیان کو میں نے پناہ دی ہے۔ جب سیدنا عمرؓ زیادہ جذباتی ہوگئے تو میں نے سیدنا عمرؓ سے کہا عمر ٹھہر جاؤ۔ اگر بنوعدی کا کوئی آدمی ہوتا تو تیرا رویہ اتنا سخت نہ ہوتا۔ بنوعبدمناف سے ہونے کی وجہ سے تم ابوسفیان کے قتل کے درپے ہو۔

سیدنا عمرؓ نے سیدنا عباسؓ کو مخاطب کیا اور یوں گویا ہوئے: ٹھہرو عباس! جس دن تم مسلمان ہوئے میں بہت خوش ہوا۔ تمہارا مسلمان ہونا مجھے اپنے باپ خطاب کے مسلمان ہونے سے زیادہ پسند ہے۔ کیونکہ مجھے علم ہے کہ تمہارا اسلام لانا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بحث سن کر فرمایا:

"عباس! اب اسے اپنی قیام گاہ پر لے جاؤ، صبح میرے پاس لے آنا۔"

اس قصے سے سیدنا عمرؓ کی غیرت ایمانی کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ اللہ کا ایک دشمن حضرت عباسؓ کی آڑ میں مجاہدین اسلام کے قریب ذلت و رسوائی کی حالت میں گزر رہا ہے۔ سیدنا عمرؓ اللہ کی رضا اور جہاد فی سبیل اللہ کے جذبہ سے غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی گردن اُڑا دینا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کی قسمت میں بھلائی رکھی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی توفیق عنایت فرمائی اور نہ صرف ان کا خون اور مال محفوظ کر دیا، بلکہ ان کی آخرت بھی سنوار دی۔

سیدنا عمرؓ کی دانشمندانہ رائے

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: ہم اللہ کے رسول کے گرد جمع تھے۔ اس اجتماع میں ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی موجود تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اچانک مجلس سے اٹھ کر کہیں چلے گئے۔ کافی دیر تک جب واپسی نہ ہوئی تو ہمیں بڑی فکر دامن گیر ہوئی۔ ہم ڈر گئے کہ کہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی حادثہ تو پیش نہیں آ گیا۔ ہم سب فوری طور پر آپ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ سب سے پہلے میں گھبرا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا اور ایک باغ کے قریب پہنچا۔ یہ باغ انصار کے قبیلے بنونجار کا تھا۔ میں نے باغ کے گرد چکر لگایا لیکن اندر داخلے کا کوئی راستہ نہ ملا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ پانی کا ایک نالہ باہر سے باغ کے اندر جا رہا ہے۔ میں نے اپنا جسم سکیڑا اور اسی نالے کے سوراخ سے اندر داخل ہو گیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم باغ میں موجود تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا: آنے والا شخص ابوہریرہؓ ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں اللہ کے رسول۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا: آپ ہمارے ساتھ تھے، پھر آپ اٹھ کر چل دیے، دیر تک واپس نہ آئے، ہم گھبرا گئے مبادا آپ کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو۔ میں سب سے پہلے آپ کی تلاش میں نکلا۔ اس باغ تک آ پہنچا اور لومڑی کی طرح سکڑ کر اس نالے سے رینگتا ہوا اندر آ گیا۔ دوسرے لوگ بھی میرے پیچھے آ رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذهب بنعلي هاتين فمن لقيته من وراء الحائط يشهد ان لا اله الا الله مستيقنا بها قلبه فبشره بالجنة.

(ابوہریرہ میرے پیغام کی تصدیق کے لئے) میرے یہ نعلین لے جاؤ اور اس باغ سے باہر تمہیں ملنے والا ہر وہ شخص جو یقین کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، اسے جنت کی بشارت دے دو۔

میں نکلا تو سب سے پہلے مجھے سیدنا عمرؓ ملے اور پوچھنے لگے: یہ نعلین کیسے ہیں؟ میں نے کہا یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس مجھے عطا فرمائے ہیں اور ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص بھی مجھے ایسا ملے جو دل کے یقین سے یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اسے میں جنت کی بشارت دے دوں۔

سیدنا عمرؓ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر مارا۔ میں پشت کے بل زمین پر گر پڑا، پھر سیدنا عمرؓ نے کہا: ابوہریرہ! واپس چلو۔ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آیا اور سیدنا عمرؓ کی شکایت کرنے ہی لگا تھا کہ پیچھے سے عمرؓ بھی آ گئے۔ مجھے دیکھتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ابو ہریرہ کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: میری ملاقات سیدنا عمرؓ سے ہوئی۔ میں نے انہیں آپ کا پیغام سنایا تو انہوں نے میرے سینے پر ہاتھ مارا۔ میں پشت کے بل زمین پر گر پڑا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عمرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور وجہ دریافت فرمائی۔ سیدنا عمرؓ نے عرض کیا:

آپ نے ابو ہریرہ کو یہ پیغام دے کر بھیجا تھا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ اس پر سیدنا عمرؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہ کیجئے۔ مجھے ڈر ہے کہ ایسی باتیں سن کر لوگ عمل میں سستی کریں گے۔ یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہؓ کو منع فرما دیا۔ (مسلم، حدیث:13)

غزوہ حنین میں سیدنا عمرؓ کی ثابت قدمی

غزوہ حنین میں جب مشرکین نے اچانک مسلمانوں پر حملہ بول دیا تو لوگوں میں افراتفری پھیل گئی۔ جس کا جدھر منہ اٹھا، ادھر ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدان کے دائیں طرف چلے گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایھا الناس! ھلموا الی انا رسول اللہ! انا محمد بن عبداللہ۔

اے لوگو! میری طرف آؤ۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں محمد بن عبداللہ ہوں۔

لیکن لشکر اسلام میں ابتری اس قدر پھیل چکی تھی کہ کسی نے بھی آپ کی آواز نہیں سنی۔ اونٹ ایک دوسرے کے اوپر چڑھے جا رہے تھے اور لوگ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ ایسے میں چند ہی لوگ ایسے تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ ان خوش نصیب وباہمت لوگوں میں سیدنا عمر فاروقؓ بھی تھے۔ جو لوگ ہر حال میں آپ کے ساتھ رہے ان میں مہاجرین و انصار کے بعض لوگ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت شامل تھے۔ سیدنا عمر فاروقؓ کے علاوہ ان میں سیدنا ابو بکرؓ تھے اور آپ کے اہل بیت میں سیدنا علی بن ابی طالبؓ اور عباس بن عبدالمطلبؓ، ان کے بیٹے فضلؓ، ابوسفیان بن حارثؓ، ان کے بیٹے ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہم اور کچھ دیگر صحابہ شامل تھے۔

خیر کے کاموں میں سبقت

سیدنا عمرؓ کو خیبر سے ایک قطعہ اراضی حصہ میں ملا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسا مال ملا ہے کہ کبھی ایسا مال نہیں ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس بارے میں کیا مشورہ دیں گے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تم مناسب سمجھو تو زمین کی ملکیت اپنے پاس رکھو اور اس کی پیداوار کو صدقہ کرو۔"

چنانچہ سیدنا عمرؓ نے اس کا پھل فقراء، غلاموں، عزیز و اقارب، مسافروں اور مہمانوں کے لئے صدقہ کر دیا، جب کہ اس کی زمین کے بارے میں کہا: یہ فروخت ہوگی نہ ہبہ کی جا سکے گی اور نہ وراثت میں دی جا سکے گی۔ اس کا نگراں ان کا پھل ضرورت کے مطابق کھا لے یا اپنے کسی دوست کو کھلا دے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن ذخیرہ کرنے کے لئے پھل لے جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

سیدنا عمرؓ کے اس کردار سے ان کی فضیلت کے ساتھ ساتھ بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ دنیائے فانی پر آخرت کو ترجیح دیتے تھے۔

خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے سے قبل سیدنا عمر فاروقؓ تجارت کیا کرتے تھے۔ وہ ایک کامیاب تاجر تھے۔ اس پیشے کی آمدنی نے انہیں مکہ کے مالدار افراد میں شامل کر دیا تھا۔ وہ تجارت کی غرض سے جس شہر کا رخ کرتے تجارت کے ساتھ ساتھ اس کے خصائص و معارف کا علم بھی حاصل کر لیتے تھے۔ وہ گرمیوں میں شام اور سردیوں میں یمن جایا کرتے تھے، مگر خلیفہ بننے کے بعد انہوں نے تجارت چھوڑ دی۔

□□□

دکتور محمد بن عبدالرحمٰن العریفی
ترجمہ: حافظ قمر حسن

زندگی سے لطف اٹھایئے!

سنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کے سنہرے

اپنے آپ کو غم کے مارے ہلاک نہ کریں

سعد یونیورسٹی میں میرا طالب علم ہے۔ وہ پورا ہفتہ غیر حاضر رہا۔ وہ آیا، مجھ سے ملا تو میں نے پوچھا: "سعد! خیریت؟"

"کچھ نہیں۔ بس کچھ ضروری کام نمٹانے تھے۔" اس کے چہرے پر غم کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے کہا: "سعد کیا بات ہے؟ مجھے بتاؤ!"

"میرا بیٹا بیمار ہے۔ اسے تلیف جگر (Cirrhosis) کی بیماری ہے۔ اب چند دنوں سے سمیت خون (Toxemia) نے بھی آ گھیرا ہے۔ کل میں یہ جان کر سکتے میں آ گیا کہ زہر کا اثر دماغ تک پہنچ گیا ہے۔"

سعد واقعی پریشان تھا۔ بات تھی بھی پریشانی کی۔

میں نے کہا: "لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ صبر کرو۔ اللہ تمہارے بیٹے کو شفا دے اور اگر اللہ نے کوئی فیصلہ کر لیا ہے تو روز قیامت اسے تمہارا سفارشی بنائے۔"

وہ بولا: "سفارشی؟ یا شیخ، وہ بچہ نہیں۔" "اس کی عمر 17 سال ہے۔" میں نے کہا: "چلو، اللہ اسے شفا دے۔ اس کے بھائیوں کو تمہارے لئے مبارک کرے۔"

اس نے سر جھکا کر کہا: "یا شیخ! اس کا کوئی بھائی نہیں۔ وہ میری اکلوتی اولاد ہے۔ اسے بھی بیماری کھائے جا رہی ہے۔"

سعد کی حالت قابل رحم تھی۔ میں نے دل کڑا کر کے کہا: "سعد! اپنے آپ کو غم کے مارے ہلاک نہ کرو۔ ہم پر جو بھی مصیبت آتی ہے وہ اللہ نے لکھ رکھی ہوتی ہے۔"

یہ کہہ کر میں چلا آیا۔

جی ہاں! اپنے آپ کو غم کے مارے ہلاک نہ کریں۔ غم کرنے سے مصائب کا بوجھ ہلکا نہیں ہو جاتا۔

کچھ عرصہ بیشتر میں مدینہ منورہ گیا۔ وہاں اپنے دیرینہ دوست خالد سے ملا۔ اس نے مجھ سے کہا: "چلیں، دکتور عبداللہ کو مل کر آتے ہیں۔"

میں نے پوچھا: "کس خوشی میں؟"

کہنے لگے: "خوشی میں نہیں تعزیت کرنے۔"

"تعزیت کرنے؟" "ہاں۔ ان کا بیٹا پورے کنبے کو لے کر ساتھ والے شہر شادی پر گیا تھا۔ دکتور عبداللہ یونیورسٹی سے منسلک ہیں، اس لئے وہ شادی پر نہ جا سکے۔ واپسی پر ان کے گھرانے کو خوفناک حادثہ پیش آیا جس کے نتیجہ میں گھر کے تمام 11 افراد جاں بحق ہو گئے۔

دکتور عبداللہ پچاس کے پیٹے میں تھے اور نیک آدمی تھے لیکن بہر حال انسان تھے۔ ان کے جذبات و احساسات تھے۔ سینے میں دردمند دل تھا۔ رونے والی آنکھیں تھیں۔ انہیں یہ اندوہناک خبر پہنچی تو نہایت صبر مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے سارے خاندان کی تجہیز و تکفین کی، نماز جنازہ پڑھی اور اپنے ہاتھوں سے منوں مٹی تلے دبا آئے۔ 11 افراد، پورا کنبہ۔

دکتور عبداللہ خالی خولی گھر میں سرگرداں رہتے۔ بچوں کے کمرے میں کھلونے بکھرے تھے۔ کئی دن ہوئے ان کھلونوں سے کھیلا نہیں گیا تھا، اس لئے کہ ان سے کھیلنے والے بچے خلود اور سارہ وفات پا چکے تھے۔

بستر پر جاتے ہیں تو اسے بے ترتیب پاتے ہیں کیونکہ ام صالح جاں بحق ہو چکی ہیں۔ یاسر کی سائیکل کے قریب سے گزرتے ہیں۔ وہ بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ اسے چلانے والا اب اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔ بڑی بیٹی کے کمرے میں اس کی شادی جو عنقریب ہونے والی تھی، رنگ برنگی جوڑے بکھرے پڑے تھے۔ وہ بھی اس دنیا میں نہیں تھی۔

سبحان اللہ! اللہ پاک ہے جس نے انہیں صبر دیا اور ان کا دل ثابت رکھا۔ لوگ تعزیت کرنے آتے۔ ایسا لگتا کہ ڈکتور عبداللہ پر کوئی مصیبت ہی نہیں آئی اور وہ خود تعزیت کرنے آئے ہیں۔ وہ بار بار یہی کہتے: "انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ اس نے دیا اور جو لے لیا۔ اس کے ہاں ہر شے کا ایک مقررہ وقت ہے۔"

یہ نہایت سمجھداری کی بات تھی۔ اگر وہ ایسا نہ سوچتے تو یقیناً غم کے مارے مر جاتے۔

میں ایک صاحب کو جانتا ہوں جو ہمیشہ خوش نظر آتے ہیں لیکن آپ ان کے حالات کا جائزہ لیں تو دیکھیں گے کہ معمولی ملازمت ہے، کرائے کا تنگ سا گھر ہے، معمولی سواری ہے اور اہل وعیال بکثرت ہیں۔ اس کے باوجود وہ ہمیشہ مسکراتے رہتے ہیں۔ زندگی کا لطف اٹھا رہے ہیں۔

حالت کی ناسازگاری کا کیا شکوہ کرنا! زندگی میں موجود بہت سی شکایتیں انسان کی اپنی پیدا کردہ ہوتی ہیں۔ واویلا کرنے سے تکلیف بجائے کم ہونے کے بڑھتی ہی ہے۔

افنیت یا مسکین! عمرك بالتاوه والحزن
وظلمت مکتوف الیدین تقول حاربنی الزمن
ان لم تقم بالعب و انت فمن یقوم به اذن

"اے بے چارے انسان! تم نے اپنی عمر آہ و بکا کرتے رہنے اور غم کھانے میں ضائع کردی۔ تم ہاتھ باندھے بیٹھتے کہتے رہے کہ زمانے کو مجھ سے بیر ہے۔ اگر تم خود یہ بوجھ نہیں اٹھاؤ گے تو کون اٹھائے گا؟"

روشنی کی کرن: "جو سہولیات میسر ہیں انہیں کام میں لایئے اور خوشگوار زندگی گزاریے۔"

کوہ گراں بنئے

ابوسفیان بن حرب شام سے تجارتی قافلہ لئے آرہا تھا۔ مسلمان قافلہ پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ ہوئے۔ ابوسفیان نے راستہ بدلا اور قافلہ لے کر بھاگ گیا۔ اس نے قریش کو پیغام بھیجا کہ مسلمانوں نے حملہ کردیا ہے۔ قریش ایک لشکر جرار لے کر مسلمانوں کے مقابلے میں اترے۔ بدر کے میدان میں معرکہ بپا ہوا۔ مسلمانوں کی اس معرکے میں فتح حاصل ہوئی۔ قریش کے ستر کافر واصل جہنم ہوئے اور ستر ہی گرفتار کرلئے گئے۔ قریش کا بچا کھچا لشکر بھوک پیاس کی حالت میں اپنے زخم چاٹتا مکہ واپس ہوا۔ اُدھر ابوسفیان بھی قافلے کے ہمراہ آپہنچا۔ قریش کے شکست خوردہ سپاہی اس کے سامنے تھے۔ اہل مکہ پر بڑی مصیبت نازل ہوئی تھی۔

عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ چند نوجوانوں کے ہمراہ جن کے باپ، بھائی اور بیٹے بدر میں مارے گئے تھے، ابوسفیان کی طرف آئے اور کہا: "قریش کے لوگو! محمد نے آپ کو اچھا خاصا گزند پہنچایا اور آپ کے سرکردہ افراد قتل کردیے ہیں، اس لئے آپ مال کے ذریعے سے اس کے خلاف جنگ میں ہماری مدد کریں، شاید کہ ہم اس سے انتقام لیں۔"

ابوسفیان اور دیگر تاجروں نے اُن کی مدد کے لئے خزانوں کے منہ کھول دیے۔ انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ، فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ، وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ۔

"جن لوگوں نے کفر کیا، بلاشبہ وہ اپنے اموال خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کے راستے سے روکیں۔ تو وہ اموال خرچ کرتے رہیں گے، پھر وہ اموال ان کے لئے حسرت وندامت کا باعث ہوں گے، پھر وہ مغلوب ہوجائیں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا انہیں اکٹھا کرکے جہنم کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔" (الانفال:36)

چنانچہ قریش کیل کانٹے سے لیس ہوکر جنگ کے لئے روانہ ہوئے۔ بنوکنانہ اور اہل تہامہ کے جو لوگ قریش کے تابع تھے، وہ بھی نکلے۔ عورتیں بھی ہمراہ تھیں تاکہ مرد میدان سے راہ فرار اختیار نہ کریں۔ ابوسفیان اپنی بیوی ہندہ بنت عتبہ کو، عکرمہ بن ابی جہل اپنی بیوی ام حکیم بنت حارث کو اور حارث بن ہشام فاطمہ بنت ولید بن مغیرہ کو لئے نکلا۔ اہل مکہ نے پیش قدمی کرتے ہوئے مدینہ کے مقابل وادی کے کنارے پر پڑاؤ ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی پیش قدمی کی اطلاع ملی

تو آپ نے صحابۂ کرام سے مشورہ طلب کیا کہ مدینے میں رہ کر دفاع کریں یا باہر نکلیں۔ وہ لوگ جو بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے، بولے: ''یا رسول اللہ! ہم مدینہ سے باہر نکل کر احد کے میدان میں اُن کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اُن کا خیال تھا کہ یوں وہ اصحاب بدر کی فضیلت حاصل کرلیں گے۔ اُن کا اصرار بڑھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر گئے اور اسلحہ پہن کر باہر نکل آئے۔ لوگوں نے آپ کو جنگ کے لئے تیار دیکھا تو نادم ہوئے۔ انہیں احساس ہوا کہ اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے پر مجبور کیا ہے۔ وہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! آپ چاہیں تو مدینہ ہی میں رہیں۔ آپ کی رائے بھی بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی نبی کے لائق نہیں کہ وہ اسلحہ پہن کر اتار دے، یہاں تک کہ اللہ اس کے اور دشمن کے درمیان فیصلہ کردے۔

ابوسفیان اور اس کے لشکر جبل احد کے دامن میں اترے تو مسلمان خوش ہوئے کہ اُن کی دیرینہ خواہش پوری ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا: ''کون آدمی ہے جو ہمیں عام راستے سے ہٹ کر ان لوگوں کے قریب لے جائے۔

بنو حارثہ بن حارث کے ابوخثیمہ نامی ایک آدمی نے کہا: ''یا رسول اللہ! میں لے جاؤں گا۔'' ابوخثیمہ اسلامی لشکر کو لئے بنو حارثہ کے کھیتوں سے گزرنے لگا۔ مربع بن قیظی جو اندھا اور منافق تھا، اس کے کھیت سے گزرے۔ مربع بن قیظی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی آواز سنی تو اٹھا اور اُن کے چہروں پر مٹی پھینکتے ہوئے کہنے لگا: ''اگر تم اللہ کے رسول ہو تو میں تمہیں اجازت نہیں دیتا کہ میرے کھیت سے گزرو۔''

پھر اس خبیث نے ہاتھ میں مٹی بھری اور کہا: ''واللہ! اے محمد! مجھے معلوم ہوتا کہ یہ مٹی تمہارے سوا کسی اور پر نہیں پڑے گی تو میں اسے تمہارے چہرے پر دے مارتا۔

صحابہ کرامؓ اُسے سبق سکھانے آگے بڑھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اُسے قتل نہ کریں۔ یہ آنکھ اور دل دونوں کا اندھا ہے۔'' یہ کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چل دیے اور اس منافق کے معاملے کو اہمیت نہ دی۔ آپ باوقار اور عقلمند انسان تھے۔ معمولی باتوں پر غصے میں نہیں آتے تھے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ کتے بھونکتے رہتے ہیں اور قافلہ چلتا رہتا ہے۔

قناعت: ''ہوائیں پہاڑوں کو نہیں ہلاسکتیں، مگر ریتوں کو اِدھر سے اُدھر پھینکتی رہتی ہیں۔''

اس پر لعنت مت بھیجو

معاشرے کے برے افراد، خواہ کیسے ہی برے ہوں، اُن میں کوئی نہ کوئی بھلائی ضرور ہوتی ہے۔ اگر ہم برے آدمی کے دل کے کسی کونے کھدرے میں چھپی بھلائی کی کلید حاصل کرسکیں تو یہ بہت اچھی بات ہوگی۔ ایک ڈاکو کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ ڈاکوؤں کی کمائی کا کچھ حصہ نادار اور یتیم افراد میں تقسیم کرتا ہے اور کچھ حصے سے مساجد تعمیر کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق یہ تھا کہ آپ خطاکاروں اور گناہگاروں سے اچھا گمان رکھتے ہوئے اُن کی بھلائیاں تلاش کرتے تھے۔

ایک آدمی کو شراب نوشی کے جرم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ کے حکم سے اُسے کوڑے لگائے گئے۔ چند دن گزرے۔ اُس نے پھر شراب پی۔ اُسے گرفتار کرکے لایا گیا اور کوڑے لگائے گئے۔ چند دن بعد اُسے شراب نوشی کے جرم میں پھر لایا گیا اور سزا دی گئی۔ وہ جانے کے لئے مڑا تو ایک صحابی کہنے لگے: ''اللہ اس پر لعنت کرے۔ متعدد بار یہ اسی جرم کی پاداش میں لایا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن صحابی کی طرف دیکھا۔ چہرے کا رنگ بدل گیا۔ فرمایا:

''اس پر لعنت مت بھیجو۔ واللہ! جہاں تک میں جانتا ہوں یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔''

اس لئے لوگوں سے تعامل میں عدل و انصاف سے کام لیجئے۔ اُن میں موجود بھلائی یاد رکھیے۔ انہیں احساس دلایئے کہ اُن کی برائی کے باوجود آپ نے ان کی شخصیت کا اچھا پہلو نظر انداز نہیں کیا۔ یوں وہ آپ کے قریب آئیں گے۔

فن: ''قبل اس سے کہ آپ لوگوں میں موجود برائی کا درخت جڑ سے اکھاڑ پھینکیں، ان میں شجرۂ خیر تلاش کرکے اس کی آبیاری کیجئے۔''

مولانا محمد نجیب قاسمی (ریاض)

عمامہ یا ٹوپی۔ نبی اکرمؐ کی سنت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا ایک سچے اور شیدائی امتی کے لئے نہ صرف قابل اتباع، بلکہ مرمٹنے کے قابل ہے، خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا روزمرہ کی عادات و اطوار، مثلاً طعام یا لباس وغیرہ سے۔ ہر امتی کو حتی الامکان کوشش کرنی چاہئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت کو اپنی زندگی میں داخل کرے اور جن سنتوں پر عمل کرنا مشکل ہو ان کو بھی اچھی اور محبت بھری نگاہ سے دیکھے اور عمل نہ کرنے پر ندامت اور افسوس کرے۔

امت مسلمہ متفق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً عمامہ یا ٹوپی کا استعمال فرماتے تھے، جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث وعلمائے امت کے اقوال میں مذکور ہیں۔

عمامہ سے متعلق احادیث

● حضرت عمروؓ بن حریث سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے (سر کے) اوپر کالا عمامہ تھا۔ (مسلم)

● متعدد صحابۂ کرام، مثلاً حضرت جابرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کالا عمامہ تھا۔ (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ)

● حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مرض الوفات) میں خطبہ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کے سر) پر کالا عمامہ تھا۔ (شمائل ترمذی، بخاری)

● حضرت ابوسعید الخدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام رکھتے عمامہ یا قمیص یا چادر، پھر یہ دعا پڑھتے: "**اللهم لك الحمد انت كسوتنيه اسئلك من خيره و خير ما صنع له، و اعوذ بك من شره و شر ما صنع له.**" اے میرے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے یہ پہنایا، میں اس کپڑے کی خیر اور جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے اس کی خیر مانگتا ہوں اور اس کی اور جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ (ترمذی) معلوم ہوا کہ عمامہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس میں شامل تھا۔

● حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قطری عمامہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ کے نیچے اپنا ہاتھ داخل فرمایا اور سر کے اگلے حصہ کو مسح فرمایا اور عمامہ کو نہیں کھولا۔ (ابوداؤد)

قطری: یہ ایک قسم کی موٹی کھردری چادر ہوتی ہے، سفید زمین پر سرخ دھاگہ کے مستطیل بنے ہوتے ہیں۔

● حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: محرم (یعنی حج یا عمرہ کا احرام باندھنے والا مرد) کرتا، عمامہ، پائجامہ اور ٹوپی نہیں پہن سکتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عمامہ عام طور پر پہنا جاتا تھا۔

غرضیکہ حدیث کی کوئی بھی مشہور کتاب دنیا میں ایسی موجود نہیں ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کا ذکر متعدد مرتبہ وارد نہیں ہوا ہو۔

عمامہ کا سائز

عمامہ کے سائز کے متعلق مختلف اقوال ملتے ہیں البتہ زیادہ تحقیقی بات یہی ہے کہ عمامہ کا کوئی معین سائز مسنون نہیں ہے، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ عموماً 5 یا 7 ذراع لمبا ہوا کرتا تھا۔ 2 ذراع تک کا ثبوت ملتا ہے۔

عمامہ کا رنگ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ اکثر اوقات سفید یا سیاہ ہوا کرتا تھا، البتہ وقتاً فوقتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے رنگ کا بھی عمامہ استعمال کرتے تھے۔ سیاہ عمامہ سے متعلق بعض احادیث مضمون میں گزر چکی ہیں، جب کہ مستدرک حاکم اور طبرانی وغیرہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید عمامہ کا تذکرہ موجود ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفید کپڑوں کو بہت پسند فرماتے تھے، متعدد احادیث میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔

● حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کپڑوں میں سے سفید کو اختیار کیا کرو، کیونکہ وہ تمہارے کپڑوں میں بہترین کپڑے ہیں اور سفید کپڑوں میں ہی اپنے مردوں کو کفن دیا کرو۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، مسند احمد، صحیح ابن حبان)

● حضرت سمرۃؓ سے رویت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سفید لباس پہنو کیونکہ وہ بہت پاکیزہ، بہت صاف اور بہت اچھا ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دیا کرو۔ (نسائی، ترمذی، ابن ماجہ)

عمامہ میں شملہ لٹکانا

شملہ لٹکانا مستحب ہے اور سنن زوائد میں سے ہے۔ شملہ کی مقدار کے سلسلہ میں بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ 4 انگل ہو تو بہتر ہے۔

● حضرت عمرو بن حریثؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کالا عمامہ تھا۔ اس کے دونوں کناروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں شانوں کے درمیان (یعنی پیچھے) لٹکایا تھا۔ (مسلم، ابن ماجہ، ابوداؤد)

● حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اسے دونوں کندھوں کے درمیان ڈالتے تھے۔ یعنی عمامہ کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا رہتا تھا۔ حضرت نافعؒ (حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے شاگرد) فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ (ترمذی)

● حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک آدمی ترکی گھوڑے پر سوار عمامہ پہنے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس نے دونوں کندھوں کے درمیان عمامہ کا کنارہ لٹکا رکھا تھا۔ میں نے ان کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، تو فرمایا: تم نے ان کو دیکھ لیا تھا۔ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔ (مستدرک حاکم)

عمامہ اور نماز

عمامہ پہن کر نماز پڑھنے کی کیا خاص فضیلت ہے؟ اس بارے میں متعدد احادیث کتب احادیث میں مذکور ہیں، مگر وہ عموماً ضعیف یا موضوع ہیں، مثلاً: عمامہ پہننا عربوں کا تاج ہے۔ (دیلمی) عمامہ باندھا کرو، تمہاری بردباری بڑھ جائے گی۔ (بیہقی، مستدرک حاکم) عمامہ لازم پکڑلو، یہ فرشتوں کی نشانی ہے اور پیچھے لٹکایا کرو۔ (بیہقی، طبرانی، دیلمی) عمامہ کے ساتھ 2 رکعتیں بغیر عمامہ کے 70 رکعتوں سے افضل ہیں۔ (دیلمی) عمامہ کے ساتھ جمعہ بغیر عمامہ کے 70 جمعہ سے افضل ہے۔ (دیلمی)

علماء وفقہاء نے تحریر کیا ہے کہ عمامہ پہن کر نماز پڑھنے کی اگرچہ کوئی خاص فضیلت احادیث صحیحہ میں وارد نہیں ہوئی ہے، لیکن چونکہ عمامہ پہننا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و عادت کریمہ ہے اور صحابۂ کرام وتابعین و تبع تابعین بھی عموماً عمامہ پہنا کرتے تھے، نیز یہ کسی دوسری قوم کا لباس نہیں، بلکہ مسلمانوں کا شعار ہے اور انسانوں کے لئے زینت ہے۔ لہٰذا ہمیں عمامہ اتار کر نماز پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، بلکہ عام حالات میں بھی عمامہ یا ٹوپی پہننی چاہئے اور عمامہ یا ٹوپی پہن کر نماز ادا کرنی چاہئے، اگرچہ عمامہ یا ٹوپی پہننا واجب یا سنت مؤکدہ نہیں ہے۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمامہ کا استعمال کرنا ثابت ہے، جس پر امت مسلمہ متفق ہے تو کوئی خاص فضیلت ثابت نہ ہو تب بھی محض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا عمل کرنا بھی اس کی فضیلت کے لئے کافی ہے: مثلاً سفید لباس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا، اس لئے سفید لباس پہننا افضل ہوگا، خواہ کسی خاص فضیلت اور

ثواب کی کثرت کا ثبوت ملتا ہو یا نہیں۔

عمامہ کو ٹوپی پر باندھنا

حضرت رکانہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، فرمارہے تھے کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپی پر عمامہ باندھنا ہے۔ (ترمذی) بعض محدثین نے اس حدیث کی سند میں آئے ایک راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ٹوپی سے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفید ٹوپی پہنتے تھے۔ (طبرانی) علامہ سیوطیؒ نے الجامع الصغیر میں تحریر کیا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ الجامع الصغیر کی شرح لکھنے والے شیخ علی عزیزیؒ نے تحریر کیا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (السراج المنیر لشرح الجامع الصغیر، ج-4، ص 112)

● حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفید ٹوپی پہنتے تھے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی) اس حدیث کی سند میں آئے ایک راوی حضرت عبداللہ بن خراش ہیں، ابن حبانؒ نے ان کی توثیق کی ہے، نیز فرمایا کہ بسا اوقات غلطی کرتے ہیں۔

(مجمع الزوائد للہیثمی، ج:2، ص 124)

● حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: محرم (یعنی حج یا عمرہ کا احرام باندھنے والا مرد) کرتا، عمامہ، پائجامہ اور ٹوپی نہیں پہن سکتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ٹوپی عام طور پر پہنی جاتی تھی۔

● حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں کان والی ٹوپی پہنتے تھے اور حضر میں پتلی یعنی شامی ٹوپی۔ (ابو الشیخ اصبہانی نے اس کو روایت کیا ہے) شیخ عبدالرؤف مناویؒ نے تحریر کیا ہے کہ ٹوپی کے باب میں یہ سب سے عمدہ سند ہے۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، ج:5، ص 246)

● ابو کبشہ انماریؓ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام کی ٹوپیاں پھیلی ہوئی اور چپکی ہوئی ہوتی تھیں۔ (ترمذی)

● حضرت خالد بن ولیدؓ کی غزوۂ یرموک کے موقع پر ٹوپی گم ہوگئی تو حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میری ٹوپی تلاش کرو۔ تلاش کرنے کے باوجود بھی ٹوپی نہ مل سکی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے کہا کہ دوبارہ تلاش کرو، چنانچہ ٹوپی مل گئی۔ تب حضرت خالد بن ولیدؓ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کی ادائیگی کے بعد بال منڈوائے تو سب صحابۂ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال لینے کے لئے ٹوٹ پڑے تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے اگلے حصہ کے بال تیزی سے لے لئے اور انہیں اپنی اس ٹوپی میں رکھ لیا، چنانچہ میں جب بھی لڑائی میں شریک ہوتا ہوں یہ ٹوپی میرے ساتھ رہتی ہے، انہیں کی برکت سے مجھے فتح ملتی ہے۔ (اللہ تعالیٰ کے حکم سے)۔ (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ، والحاکم فی مستدرک: 229/3) امام ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں تحریر کیا ہے کہ اس حدیث کے راوی صحیح ہیں۔ 9/349)

● امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے: باب السجود علی الثوب فی شدۃ الحر، یعنی سخت گرمی میں کپڑے پر سجدہ کرنے کا حکم۔ جس میں حضرت حسن بصریؒ کا قول ذکر کیا ہے کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے صحابۂ کرام اپنی ٹوپی اور عمامہ پر سجدہ کیا کرتے تھے۔

● حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شہید وہ ہے جس کا ایمان عمدہ ہو اور دشمن سے ملاقات کے وقت اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی تصدیق کرتے ہوئے بہادری سے لڑے اور شہید ہوجائے، اس کا درجہ اتنا بلند ہوگا کہ لوگ قیامت کے دن اس کی طرف اپنی نگاہ اس طرح اٹھائیں گے۔ یہ کہہ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا حضرت عمرؓ نے جو حدیث کے راوی ہیں اپنا سر اٹھایا، یہاں تک کہ سر سے ٹوپی گر گئی۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے غلام نافع کو ننگے سر نماز پڑھتے دیکھا تو بہت غصہ ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ زیادہ مستحق ہے کہ ہم اس کے سامنے زینت کے ساتھ حاضر ہوں۔

- حضرت زید بن جبیرؓ اور حضرت ہشام بن عروہؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ (کے سر) پر ٹوپی دیکھی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)
- حضرت عبداللہ بن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علیؓ بن ابی طالب (کے سر) پر سفید مصری ٹوپی دیکھی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)
- حضرت اشعثؒ کے والد فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ اشعریؓ بیت الخلاء سے نکلے اور ان (کے سر) پر ٹوپی تھی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

وضاحت: حدیث کی اس مشہور کتاب ''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں متعدد صحابۂ کرام کی ٹوپیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان میں سے اختصار کی وجہ سے میں نے صرف تین صحابۂ کرام کی ٹوپی کا تذکرہ یہاں کیا ہے۔

ٹوپی سے متعلق بعض علمائے امت کے اقوال

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی ٹوپیوں کا تذکرہ اس مختصر مضمون میں کرنا مشکل ہے، لہٰذا انہیں چند احادیث پر اکتفا کرتا ہوں، البتہ بعض علماء وفقہاء کے اقوال کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

- شیخ نعمان بن ثابت، یعنی امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنے سے نماز تو ادا ہو جائے گی، مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ فقہ حنفی کی بے شمار کتابوں میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔
- علامہ ابن القیمؒ نے تحریر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ باندھتے تھے اور اس کے نیچے ٹوپی بھی پہنتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ کے بغیر بھی ٹوپی پہنتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹوپی پہنے بغیر بھی عمامہ باندھتے تھے۔ (زاد المعاد فی ہدی خیر العباد)
- شیخ ناصر الدین البانیؒ کی رائے ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنے سے نماز تو ادا ہو جائے گی، مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ (تمام المنۃ صفحہ 164)
- شیخ ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ ٹوپی انبیاء اور صالحین کے لباس سے ہے۔ سر کی حفاظت کرتی ہے اور عمامہ کو جماتی ہے۔ (فیض القدیر)
- ہند و پاک و بنگلہ دیش و افغانستان کے جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ننگے سر نماز پڑھنے سے نماز تو ادا ہو جائے گی، مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔
- ایک اہل حدیث عالم دین نے تحریر کیا ہے کہ ننگے سر نماز ہو جاتی ہے، صحابۂ کرام سے جواز ملتا ہے، مگر بطور فیشن لاپرواہی اور تعصب کی بنا پر مستقل کے لئے یہ عادت بنالینا جیسا کہ آج کل دھڑلے سے کیا جا رہا ہے۔ ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ عمل نہیں کیا۔ (مجلہ اہل حدیث سوہدرہ، پاکستان، ج:15، شمار:22، بحوالہ کتاب ٹوپی و پگڑی سے یا ننگے سر نماز؟)
- اہل حدیث عالم مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ نے تحریر کیا ہے کہ سر اعضائے ستر میں سے نہیں ہے، لیکن نماز میں سر ننگے رکھنے کے مسئلہ کو اس لحاظ سے، بلکہ آداب نماز کے لحاظ سے دیکھنا چاہئے اور آگے کندھوں کو ڈھانکنے پر دلالت کرنے والی بخاری و مؤطا امام مالک کی روایات اور مؤطا کی شرح زرقانی (وتمہید)، ابن عبدالبر، بخاری کی شرح فتح الباری، ایسے ہی شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی کتاب الاختیارات اور امام ابن قدامہ کی المغنی سے تصریحات و اقتباسات نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ کندھے بھی اگرچہ اعضائے ستر میں سے نہیں ہیں، اس کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا ہونے کی شکل میں ننگے کندھوں سے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح سر بھی اگرچہ اعضائے ستر میں سے نہ سہی، لیکن آداب نماز میں سے یہ بھی ایک ادب ہے کہ بلاوجہ ننگے سر نماز پڑھی جائے اور اسے زینت کا تقاضا بھی قرار دیا ہے۔ ابتدائے عہد اسلام کو چھوڑ کر، جب کہ کپڑوں کی قلت تھی، اس کے بعد اس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گزری، جس میں صراحتاً مذکور ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابۂ کرام نے مسجد میں اور وہ بھی نماز باجماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو، چہ جائیکہ معمول بنالیا ہو۔ اس رسم کو جو پھیل رہی ہے بند کرنا چاہئے۔ اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی۔ (فتاویٰ علماء اہل حدیث،

ج:4، ص290-291، بحوالہ: کتاب ٹوپی و پگڑی سے یا ننگے سر نماز؟)

● ایک دوسرے اہل حدیث عالم مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کرام اور اہل علم کا طریق وہی ہے جو اب تک مساجد میں متوارث ہے اور معمول بہا ہے۔ کوئی مرفوع حدیث صحیح میری نظر سے نہیں گزری جس سے ننگے سر نماز کی عادت کا جواز ثابت ہو، خصوصاً باجماعت فرائض میں، بلکہ عادت مبارکہ یہی تھی کہ پورے لباس سے نماز ادا فرماتے تھے۔ سر ننگا رکھنے کی عادت اور بلاوجہ ایسا کرنا اچھا فعل نہیں ہے۔ یہ فعل فیشن کے طور پر روز بروز بڑھ رہا ہے اور یہ بھی نامناسب ہے۔ اگر حس لطیف سے طبیعت محروم نہ ہو تو ننگے سر نماز ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ ضرورت اور اضطرار کا باب اس سے الگ ہے۔ (فتاویٰ علماء اہل حدیث، ج: 4، ص286-289، بحوالہ: کتاب ٹوپی و پگڑی سے یا ننگے سر نماز؟)

● سعودی عرب کے تمام شیوخ کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ ٹوپی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور تمام محدثین ومفسرین و فقہاء وعلماء وصالحین کا طریقہ ہے۔ نیز ٹوپی پہننا انسان کی زینت ہے اور قرآن کریم (سورۃ الاعراف:31) کی روشنی میں نماز میں زینت مطلوب ہے، لہٰذا ہمیں ٹوپی پہن کر ہی نماز پڑھنی چاہئے۔ یہ فتاوے سعودی عرب کے شیوخ کی ویب سائٹ پر پڑھے اور سنے جاسکتے ہیں۔ سعودی عرب کی موجودہ حکومت کے نظام کے تحت کسی بھی حکومت کے دفتر میں کسی بھی سعودی باشندہ کا معاملہ اسی وقت قبول کیا جاتا ہے جب کہ وہ ٹوپی اور رومال کے ذریعہ سر ڈھانک کر حکومت کے دفتر میں جائے۔ سعودی عرب کے خواص وعوام کا معمول بھی یہی ہے کہ وہ عموماً سر ڈھانک کر ہی نماز ادا کرتے ہیں۔

پہلا نکتہ

ان دنوں امت مسلمہ کی ایک چھوٹی سی جماعت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک حدیث کو بنیاد بنا کر ننگے سر نماز پڑھنے کی بظاہر ترغیب دینے لگتی ہے۔ ''ان النبی کان ربما نزع قلنسوته، فجعلها سترة بین یدیه.'' (ابن عساکر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اپنی ٹوپی اتار کر اسے اپنے سامنے بطور سترہ رکھ لیتے تھے۔ اس حدیث سے مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر ننگے سر نماز پڑھنے کی کسی بھی فضیلت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے۔

● یہ روایت ضعیف ہے، نیز اس روایت کو ذکر کرنے میں ابن عساکر متفرد ہیں، یعنی حدیث کی مشہور ومعروف کسی کتاب میں بھی یہ حدیث مذکور نہیں ہے۔

● اور اگر علی وجہ التنزل اس روایت کو صحیح مان بھی لیا جائے تب بھی یہ مطلب ننگے سر نماز پڑھنے کے جواز کے لئے دلیل نہیں بن سکتی، بلکہ اس حدیث کے ظاہری الفاظ بتارہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ایک اہم ضرورت کے وقت کیا جب ایسی کوئی چیز میسر نہ آئی، جسے بطور سترہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سامنے رکھ لیتے اور احادیث میں سترہ کی کافی اہمیت وارد ہوئی ہے۔

اس حدیث سے زیادہ یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ مرد حضرات کے لئے نماز میں ٹوپی یا عمامہ سے سر کا ڈھانکنا واجب نہیں ہے، جس پر امت مسلمہ متفق ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ننگے سر صرف حج یا عمرہ کے احرام کی صورت میں ہی نماز پڑھنا ثابت ہے۔ رہا کوئی چیز نہ ملنے کی وجہ سے سترہ کے لئے اپنے آگے ٹوپی کا رکھنا تو پہلی بات یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے اہم حکم کو پورا کرنے کے لئے کیا۔ دوسری بات اس حدیث میں اس کا ذکر نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ننگے سر نماز پڑھی۔ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونچی والی ٹوپی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں پہنتے تھے اس کو سترہ کے طور پر استعمال کیا ہو اور عمامہ یا سر سے چپکی ہوئی ٹوپی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر ہو کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو یا تین قسم کی ٹوپی کا تذکرہ احادیث وسیرت وتاریخ کی کتابوں میں آتا ہے۔

اس حدیث کے علاوہ ابن عساکر میں

وارد ایک مقولہ سے بھی اس چھوٹی سی جماعت نے استدلال کیا ہے: (مساجد میں ننگے سر آؤ اور عمامہ باندھ کر آؤ، بے شک عمامہ تو مسلمانوں کے تاج ہیں)، لیکن محدثین نے اس مقولہ کو حدیث نہیں، بلکہ موضوع و من گھڑت بات شمار کیا ہے اور اگر یہ مقولہ حدیث مان بھی لیا جائے تو اس کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ ہمیں مسجد میں عمامہ باندھ کر آنا چاہئے۔

دوسرا نکتہ

بعض حضرات ٹوپی کا استعمال تو کرتے ہیں، مگر ان کی ٹوپیاں پرانی، بوسیدہ اور کافی میلی نظر آتی ہیں۔ ہم اپنے لباس و مکان و دیگر چیزوں پر اچھی خاصی رقم خرچ کرتے ہیں، مگر ٹوپیاں پرانی اور بوسیدہ ہی استعمال کرتے ہیں۔ میرے عزیز بھائیو! سر کو ڈھانکنا زینت ہے، جیسا کہ مفسرین و محدثین و علماء نے کتابوں میں تحریر کیا ہے اور نماز میں اللہ تعالیٰ کے حکم (خذوا زینتکم عند کل مسجد) کے مطابق زینت مطلوب ہے، نیز ٹوپی یا عمامہ کا استعمال اسلامی شعار ہے، اس سے آج بھی مسلمانوں کی شناخت ہوتی ہے، لہٰذا ہمیں اچھی وصاف ستھری ٹوپی کا ہی استعمال کرنا چاہئے۔

تیسرا نکتہ

نماز کے وقت عمامہ یا ٹوپی پہننی چاہئے، لیکن عمامہ یا ٹوپی پہننا واجب نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے عمامہ یا ٹوپی کے بغیر نماز شروع کردی تو نماز پڑھتے ہوئے اس شخص پر ٹوپی یا رومال وغیرہ نہیں رکھنا چاہئے، کیونکہ اس کی وجہ سے عموماً نمازی کی نماز سے توجہ ہٹتی ہے (خواہ تھوڑے سے وقت کے لئے ہی کیوں نہ ہو)، البتہ نماز شروع کرنے سے قبل اس کو عمامہ یا ٹوپی پہننے کی ترغیب دینی چاہئے۔

خلاصۂ کلام

عمامہ یا ٹوپی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے (کیونکہ احادیث وسیرت و تاریخ کی کتابوں میں جہاں جہاں بھی عام زندگی کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کپڑے ہونے یا نہ ہونے کا ذکر وارد ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر عمامہ یا ٹوپی کا تذکرہ 99 فیصد وارد ہوا ہے) صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین، فقہاء اور علمائے کرام عمامہ یا ٹوپی کا استعمال فرماتے تھے، نیز ہمیشہ سے اور آج بھی یہ مسلمانوں کی پہچان ہے۔ لہٰذا ہم سب کو عمامہ و ٹوپی یا صرف ٹوپی کا استعمال ہر وقت کرنا چاہئے۔ اگر ہر وقت ٹوپی پہننا ہمارے لئے دشوار ہو تو کم از کم نماز کے وقت ٹوپی لگا کر ہی نماز پڑھنی چاہئے۔ ننگے سر نماز پڑھنے سے نماز ادا تو ہوجائے گی، مگر فقہاء و علماء کی ایک بڑی جماعت کی رائے ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنے کی عادت بنانا صحیح نہیں ہے، حتیٰ کہ بعض فقہاء و علماء نے متعدد احادیث، حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی کا اپنے شاگرد حضرت نافعؒ کو تعلیم اور صحابۂ کرام زمانہ سے امت مسلمہ کے معمول کی روشنی میں ننگے سر نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے، جن میں سے شیخ نعمان بن ثابت امام ابوحنیفہؒ (80ھ-150ھ) اور شیخ ناصر الدین البانیؒ (1333ھ-1420ھ) کا نام قابل ذکر ہے۔ آخر الذکر شیخ البانی صاحب کا تذکرہ اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ ان دنوں جو حضرات ننگے سر نماز پڑھنے کی بات کرتے ہیں ان میں سے بعض حضرات عموماً احکام و مسائل میں شیخ ناصر الدین البانیؒ کے اقوال کو حرف آخر سمجھتے ہیں۔ ننگے سر نماز کے متعلق انہوں نے واضح طور پر تحریر کیا ہے اور ان کے اقوال کیسٹوں میں ریکارڈ ہیں کہ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

ہم ہندوپاک کے رہنے والے سعودی عرب میں مقیم عموماً فیشن کی وجہ سے ٹوپی کے بغیر نماز پڑھتے ہیں، حالانکہ سعودی عرب میں 12-13 سال کے قیام کے دوران میں نے کسی بھی سعودی عالم یا خطیب یا مفتی یا مستقل امام کو سر کھول کر نماز پڑھتے یا پڑھاتے یا خطبہ دیتے ہوئے نہیں دیکھا، بلکہ ان کو ہمیشہ سر ڈھانکتے ہوئے ہی دیکھا۔ نہ صرف خواص، بلکہ سعودی عرب کی عوام بھی عموماً سر ڈھانک کر ہی نماز ادا کرتی ہے۔

وضاحت: یہ مضمون صرف مردوں کے سر ڈھانکنے کے متعلق تحریر کیا گیا ہے، رہا خواتین کے سر ڈھانکنے کا مسئلہ تو امت مسلمہ متفق ہے کہ خواتین کیلئے سر ڈھانکنا ضروری ہے، اس کے بغیر ان کی نماز ہی ادا نہیں ہوگی۔

مسلم معاشرہ میں رائج توہمات

مولانا مفتی محمد محبوب شریف نظامی

اسلام دنوں، مہینوں اور اشیاء میں نحوست کا قائل نہیں ہے، البتہ نحوست بداعمالیوں سے پیدا ہوتی ہے، پچھلے پیغمبروں کی اُمتیں اپنے پیغمبروں کو یہی کہتی تھیں کہ "تمہاری طرف سے یہ نحوست ہے تم اگر اپنی دعوت سے باز نہ آئے تو ہم تم کو پتھر مار مار کر ختم کردیں گے، اُن پیغمبروں نے فرمایا: تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے، یعنی تمہارے اعمال بد سے ہے۔ (18-19 یٰسین) حدیث شریف میں ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لا طيرة ولا صفر ولا هامة. (صحيح البخاري، كتاب الطب، باب لا هامة ولا صفر، حديث: 5757)**

"بدشگونی جائز نہیں اور نہ صفر کے مہینہ اور اُلو میں نحوست کی بات صحیح ہے۔"

ہندو تہذیب کے زیر اثر مسلم معاشرہ میں بھی بدشگونی اور نحوست کا عقیدہ رائج و راسخ ہوگیا، خصوصاً دیہاتی دکنی خواتین بے عملی اور ہندوانہ ماحول سے بہت زیادہ متاثر ہوئیں، آج کے سائنسی اور تحقیقاتی دور میں بھی بدشگونی دنوں، تاریخوں، مہینوں اور اشیاء میں نحوست کا اعتقاد عام ہے، جو عقیدۂ توحید کے خلاف ہے، جس سے قوت ارادی کمزور اور قوت عملی مضمحل ہوجاتی ہے، معاشرہ کا ارتقاء رک جاتا ہے، مثلاً تاریخوں میں 3-13-09-18، دنوں میں ہفتہ چہارشنبہ، مہینوں میں محرم اور صفر کسی تقریب کے لئے ظروف اور حالات کا لحاظ رکھنا برا نہیں ہے، جس کو ہر عقلمند تسلیم کرتا ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مذکورہ تواریخ میں خوشی کی تقاریب نہیں رکھی جاتیں، حالانکہ ان تواریخ میں 3-13-9 طاق اعداد ہیں طاق عدد ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد پسند تھا، ہفتہ ہو کہ چہارشنبہ سب کو اللہ ہی نے بنایا ہے، سب اچھے دن ہیں، سب سے اچھا دن جمعہ ہے، ہندو تہذیب میں ہفتہ کو "شنی وار" کہتے ہیں شنی کے معنی نحوست اُن کے زیر اثر مسلم سماج میں بھی ہفتہ کو منحوس سمجھا جانے لگا، اسی طرح چہارشنبہ کے سلسلہ میں سمجھا جانے لگا کہ اُس دن خاندان کے کسی آدمی کی موت ہوجائے تو اُس خاندان میں چار مردے نکلیں گے، اس اندیشہ کے ازالہ کے لئے دہی کی ہانڈی چوراہے پر پھوڑی جاتی ہے۔ اس وہم کی تردید میں بعض دینی جامعات میں بعض فنی کتب کا آغاز ہفتہ یا چہارشنبہ کو کیا جاتا ہے، تاکہ ان دنوں کی اچھائی کا تصور عام ہو۔

بعض خواتین کو میں نے دیکھا کہ وہ پیر کے دن فاتحہ سہ یوم (زیارت) سے بھی روکتی ہیں، حالانکہ پیر کا دن ایسا مبارک دن ہے کہ اُسی دن حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن نفل روزہ رکھا کرتے تھے۔

محرم کے مہینہ میں بھی کوئی خوشی کی تقریب نہیں رکھی جاتی ہے، اس لئے کہ امام عالی مقام حضرت حسینؓ کی شہادت عمل میں آئی ہے، اگر شہادت یا وفات کو وجہ بنائی جائے تو وہ کونسا مہینہ ہے جس میں کسی ولی، صحابی یا نبی کی وفات یا شہادت نہ ہوئی ہو، جیسے، سیدالشہدا حضرت حمزہؓ کی شہادت شوال کے مہینہ میں ہوئی، ذیقعدہ میں حضرت گیسودرازؒ کی وفات، ذوالحجہ میں حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت، اسی طرح ہر مہینہ میں کسی نہ کسی عظیم ہستی کی وفات یا شہادت ہوئی ہے، پھر تو خوشی کی کوئی تقریب منعقد ہی نہ ہوسکے گی۔ معلوم یہ ہوا کہ شہادت یا وفات کو خوشی کی تقریب نہ کرنے کی وجہ بنانا صحیح نہیں ہے، شعبان کی پندرہ تاریخ تک شادیوں کا سلسلہ موقوف رہتا ہے، دلہنوں کو میکے بھجوادیا جاتا ہے، عقیدہ یہ ہے کہ یہ مردوں کا مہینہ ہے، دلہن کو دولہے کے گھر نہیں رہنا چاہئے، صفر کو صِفر سمجھا جاتا ہے، اس میں نحوستیں نازل ہوتی ہیں، بالخصوص صفر کی تیرہ تاریخ تیزی ہے، جس سے زندگی میں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس کے تدارک کے لئے بارہ تاریخ گزرنے کے بعد

(بقیہ......صفحہ ۲۹......پر)

جھوٹ بری بلا ہے

محمد بن عبدالرحمٰن العریفی

میں کمرۂ امتحان میں نگرانی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ یہ جمعرات کا دن تھا۔ ہر چند ہمارے ہاں (سعودی عرب میں) جمعرات کے دن ہفتہ وار تعطیل ہوتی ہے، ہم مضامین کی بھیڑ کے باعث چھٹی کے دن بھی امتحان لینے پر مجبور تھے۔ امتحان شروع ہوئے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ایک طالب علم جو لیٹ ہو چکا تھا، کمرۂ امتحان میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے۔

میں نے اس سے کہا: معاف کیجئے گا۔ آپ دیر سے آئے ہیں۔ میں آپ کو امتحان میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

وہ بے چارہ منت سماجت کرنے لگا۔

میں نے اس سے دریافت کیا: ”آپ کو دیر کیوں ہوئی؟ اس نے صاف جواب دیا: واللہ! یا دکتور! میں سوتا رہ گیا تھا۔ مجھے اس کا سچ بولنا پسند آیا۔ میں نے اسے امتحان میں بیٹھنے کی اجازت دے دی۔

اس کے چند منٹ بعد ایک اور طالب علم آیا۔ میں نے پوچھا: آپ دیر سے کیوں تشریف لائے ہیں؟

اس نے جھوٹ بولا: ”یا دکتور! واللہ سڑکوں پر ازدحام تھا اور ٹریفک جام تھی۔ آپ تو جانتے ہیں صبح سویرے لوگ اپنے کاموں پر نکلتے ہیں۔ کوئی یونیورسٹی جا رہا ہے، کسی کو دفتر جانے کی جلدی ہوتی ہے۔

وہ مجھے قائل کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ واقعی ازدحام کی وجہ سے ٹریفک جام تھی۔ وہ بھول رہا تھا آج ملازمین کی ہفتہ وار تعطیل ہے بلکہ شاید راستوں پر ہمارے طلبہ کے سوا اور کوئی طالب علم یا ملازمت پیشہ فرد نہیں تھا۔ میں نے کہا: ”آپ کا مطلب ہے کہ سڑکوں پر ازدحام تھا اور ٹریفک جام تھی؟“ ہاں، ہاں، واللہ! یا دکتور آپ تو گویا میرے ساتھ تھے۔“

میں نے مصنوعی غصہ کرتے ہوئے کہا: ”ابے او مکار کہیں کے! جھوٹ گھڑنے سے پہلے سوچ تو لیتے۔ آج جمعرات ہے۔ ملازمین اور طلبہ کی چھٹی ہے، پھر یہ سڑکوں پر رش کہاں سے آیا؟

چوری پکڑے جانے پر وہ گھبرایا اور پینترا بدل کر بولا: ”آہ! جناب دکتور! میں تو بھول ہی گیا۔ دراصل میری گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا تھا۔ اسے تبدیل کرتے دیر ہو گئی۔

وہ بے چارہ جھوٹ بول کر پھنس گیا تھا۔ میں مسکرایا اور اسے امتحان میں بیٹھنے کی اجازت دے دی۔

کتنی بری بات ہے کہ لوگوں کو پتا چل جائے، آپ ان سے جھوٹ بول رہے ہیں۔ جھوٹ لوگوں کو آپ سے متنفر کر دیتا ہے۔ وہ آپ سے شکایت نہیں کرتے لیکن جب آپ کوئی بات کرتے ہیں تو وہ سنتے نہیں اور سن لیں تو قبول نہیں کرتے۔

جھوٹ بری بلا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **یطبع المومن علی الخلال کلها الا الخیانة والکذب۔**

”ہر شے مومن کے مزاج کا حصہ ہو سکتی ہے سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: ”اے اللہ کے رسول! کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے؟ جواب ملا: ”ہاں“۔

”کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے؟“ ”ہاں“

کیا مومن جھوٹا ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ”نہیں۔“

عبداللہ بن عامرؓ کا بیان ہے:

”ایک دن، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف فرما تھے، میری والدہ نے مجھے پکارا: اِدھر آؤ، میں تمہیں ایک چیز دوں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا:

”آپ اسے کیا دینا چاہتی تھیں؟
والدہ نے بتایا: ”میں اسے کھجور دیتی۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر آپ کوئی شے نہ دیتیں تو ایک جھوٹ آپ کے ذمہ لکھا جاتا۔

آپ کو اپنے گھر والوں میں سے کسی کے متعلق علم ہوجاتا کہ اس نے جھوٹ بولا ہے تو آپ اس سے منہ پھیرے رہتے۔

بعض لوگ ترنگ میں آکر خواہ مخواہ ڈینگیں مارنے لگتے ہیں۔ جھوٹے کارنامے مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ کہانیاں مسالے لگاکر سناتے ہیں۔ ایسی اشیاء کی ملکیت کے جھوٹے دعوے کرتے ہیں جو ان کے پاس نہیں ہوتیں۔ خیالی پلاؤ سے اپنا اور دوسروں کا پیٹ بھرتے رہتے ہیں۔ جھوٹ پکڑا جائے تو بہانے تراشتے ہیں۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان وقت کے روبرو کسی مسئلے میں شہادت دی۔ سلطان نے کہا: آپ جھوٹ بولتے ہیں۔“

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے مارے غصے کے چلا کر کہا: ”اعوذ باللہ! میں جھوٹ بول رہا ہوں؟ واللہ! آسمان سے منادی ہو کہ اللہ نے جھوٹ بولنا حلال کردیا ہے، میں تب بھی جھوٹ نہ بولوں۔ جب جھوٹ حرام ہے تو میں کیسے جھوٹ بول سکتا ہوں۔

حقیقت: ”لوگوں نے آپ کو دھوکا دیا اور کہا: ”سفید جھوٹ“ کیونکہ جھوٹ کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔ □□

بقیہ مسلم معاشرہ میں رائج توہمات

مغرب سے تیزی شروع ہوجاتی ہے تو رات سوتے وقت سرہانے تیل، بھلاویں، انڈے اور کچھ پیسے رکھتے ہیں، اندھیرے سے تیلی راجہ یا فقیر صدا لگاتے ہیں کہ آج تیرہ تیزی کا روز ہے، یہ کہتے ہوئے صدقات وصول کرتے ہیں، سرہانے رکھی گئی اشیاء تیلی راجہ یا فقیر کو دے دی جاتی ہیں، تقریباً صبح صادق سے یہ وصولی 9 بجے تک چلتی ہے، دینے والے یہ سمجھ کر دیتے ہیں کہ ساری بلائیں ان اشیاء میں چلی گئیں، تیلی راجہ یا فقیر کے لئے وہ دن عید کا ہوتا ہے، وہ بلائیں واقعتاً ان اشیاء کے ساتھ چلی گئی ہیں، اور وہ اشیاء جب تیلی راجہ یا فقیر کے پیٹ میں جانے پر اسے مصیبتوں میں گرفتار ہوجانا چاہئے تھا، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مصیبت اس پر آئی نہیں، بلکہ وہ دن اس کے لئے بڑی خوشی کا دن ہوتا ہے، مطلب یہ نکلا کہ کوئی بلا گئی نہیں، جس کی بلا اس کے ساتھ ہے، بلائیں صدقات حسنہ، نیکیوں اور دعاؤں سے ٹلتی ہیں، مذکورہ عقائد فاسدہ کی اصلاح کے لئے ہمارے اسلاف نے محرم کے ساتھ حرام (عزت وحرمت) کی صفت صفر کیساتھ مظفر (کامیابی وکامرانی) کی صفت لگائی، تاکہ توہمات سے مسلمان بچیں افسوس کہ اس کے باوجود مسلمان توہمات میں مبتلا ہیں، نحوست کے عقیدوں کا شکار ہیں۔

اسی طرح گل پوشی کے موقع پر چھینک آجائے تو کچھ دیر کے لئے گل پوشی روک دی جاتی ہے، بلی آڑے آئی تو سفر کو ملتوی کردیا جاتا ہے، چھپکلی کے چپ چپ کرنے پر کام کا بگڑنا سمجھا جاتا ہے، توا اوندھا ڈالنے پر بارش کا بند ہونا، چولہا بڑبڑانے اور کووں کے کائیں کائیں کرنے پر مہمان کی آمد کا پیش خیمہ مقصود ہوتا ہے، اُلّو کا پکارنا یا اس کا کسی کے گھر پر بیٹھنا، کسی کی موت یا اس گھر کی ویرانگی کا گمان کیا جاتا ہے، ہتھیلی کھجانے پر پیسوں کا آنا، پیٹھ کھجانے پر ماروں کا پڑنا خیال کیا جاتا ہے، آنکھ کے پھڑ پھڑانے پر بری خبر سننے کا اندیشہ کیا جاتا ہے، دلہا دلہن کے موقع پر بیوہ کو دور رکھا جاتا ہے کہیں اس کی بیوگی دلہن کو بھی بیوہ نہ بنادے، بن بیاہی لڑکیوں کو قریب سے نظارہ کرنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے، تاکہ اُن کا نصیبہ بھی جاگے، چاہے وہ دولہا ان کے لئے غیر محرم ہی کیوں نہ ہو، بیوہ کی چوڑیاں پھوڑتے وقت بن بیاہی بچیوں کو ہٹادیا جاتا ہے، کہیں بیوگی کے اثرات ان بچیوں کے مستقبل پر نہ پڑیں، ماں حمل سے ہو تو بیٹے کی ختنہ نہیں کرائی جاتی اور نہ گھر کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

یہ چند نحوست کے فاسد عقیدے تھے جس کا تذکرہ اس مضمون میں کیا گیا نہیں معلوم اور کن کن فاسد عقیدوں کی شکار یہ ملت ہے، یہ عقیدے توحید کے سراسر منافی، قوت ارادی اور قوت عمل کو کمزور کردینے والے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ افراد اور جماعتیں معاشرہ کی ان خرابیوں کو دور کرنے کی فکر ہی نہیں عملی کوشش کریں، دعا ہے کہ اللہ ہمارے معاشرہ کو اسلامی معاشرہ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جنتی پھول

علامہ سعدی

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ”ایمانِ کامل“...... ”ایمانِ دائم“ اور ثابت قدمی عطا فرمائے! اور اس وقت کئی ایمان افروز مناظر میری آنکھوں کو روشن اور نم کر رہے ہیں...... لیجئے آپ بھی اس کیفیت میں شریک ہوجایئے ﴾

اے بیعت کرنے والو!

اسلامی لشکر پر کفار نے ایسا زوردار حملہ کیا کہ...... باوجود کثرت کے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے...... دشمن کے چار ہزار تیر انداز موسلادھار بارش کی طرح تیر برسا رہے تھے...... یہ اسلامی لشکر کے راستے میں چھپے بیٹھے تھے، انہوں نے اچانک بیس ہزار تلواروں سے مسلمانوں پر ہلہ بول دیا...... بارہ ہزار افراد کا اسلامی لشکر ٹوٹ پھوٹ اور انتشار کا شکار ہوگیا۔ میدان میں مسلمانوں کے سپہ سالار اکیلے رہ گئے، ان کے اردگرد صرف دس بارہ پروانے دیوانے مجاہدین تھے۔ وہ اپنے محبوب قائد اور سپہ سالار کو تیروں اور تلواروں کی بارش سے بچانے کے لئے سردھڑ کی بازی لگا رہے تھے۔ سپہ سالار پوری استقامت کے ساتھ ہزاروں کفار کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے اور اپنے لشکر اور مجاہدین کو دوبارہ جمع اور منظم ہونے کے لئے پکار رہے تھے۔ اچانک ایک بلند قامت پرنور باباجی تلوار لے کر سپہ سالار کے گھوڑے کے قریب کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنی بلند آواز سے پکارا۔

”یا معشر الانصار، یا اصحاب السمرة“

اے گروہ انصار، اے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو!

سبحان اللہ! آواز بلند تھی، جذبے سے لبریز اور خوشبو سے معمور تھی۔ انصار کے لفظ میں وعدۂ نصرت کی یاددہانی تھی۔ اور کیکر کے درخت ”السمرۃ“ کے لفظ میں ”بیعت“ نبھانے کی تلقین تھی۔ دو تین بار یہ آواز گونجی تو خوف کے بادل چھٹ گئے، انتشار کا سیلاب تھم گیا۔ اور دیوانے مجاہدین بجلی کی تیزی سے واپس پلٹے۔ اپنے سپہ سالار کے گرد جمع ہوئے اور دشمن پر ایسا جاندار حملہ کیا کہ شکست فتح میں تبدیل ہوگئی۔ اور مسلمان غالب ہوگئے۔

یہ غزوہ حنین کا واقعہ ہے۔ مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور ایمان کو زندہ کرنے والی آواز لگانے والے ”باباجی“ حضرت سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے ”چچا جی“ سلام ہو۔ حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ پر اور ان کی مسلمان آل پر۔

یہ ایک اور منظر ہے۔ پہلے منظر سے کسی قدر ملتا جلتا یہاں بھی میدان جہاد ہے اور کفار کا لشکر۔ مسلمانوں کے لشکر سے بہت بڑا ہے۔ جنگ پڑی تو مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ یہاں بھی ایک باباجی لمبی سی لاٹھی لے کر کھڑے ہوگئے۔ ان کی عمر اسّی سال کے قریب تھی۔ ایک آنکھ سے معذور تھے ان کی یہ آنکھ ایک غزوے میں شہید ہوگئی تھی۔ وہ میدان کے کنارے پر کھڑے تھے۔ اور پکار پکار کر مسلمانوں کو ثابت قدمی اور جنت کی یاد دلا رہے تھے۔ کبھی وہ اپنا رخ آسمان کی طرف کرتے اور پکارتے۔

یا نصر اللہ اقترب۔

اے اللہ کی مدد قریب آجا قریب آجا۔

اور کبھی اپنی لاٹھی سے ان مسلمانوں کو مار مار کر میدان کی طرف دھکیلتے جو پسپائی کو دوڑ رہے تھے۔ اس دوران وہ باباجی خود بھی تلوار تھام کر جنگ میں شامل ہوتے رہے۔

یہ اسلام کا اہم معرکہ جنگ یرموک تھا۔ اور باباجی کا نام۔ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی

اللہ عنہ۔ قریش کے نامور اور متفقہ سردار۔

فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو غزوات میں شرکت فرمائی۔ غزوہ طائف میں تیر لگا تو آنکھ ضائع ہوگئی۔ حضرت آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا۔ آپ چاہیں تو دعاء کردوں، اللہ تعالیٰ آنکھ واپس عطاء فرمادے۔ یا آپ صبر کریں تو اس کے بدلے جنت ملے گی۔ فرمایا: جنت چاہئے۔ آنکھ نہیں۔ سلام ہو۔ امی جی ام حبیبہ ام المومنین رضی اللہ عنہا پر۔ ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر۔ ان کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر۔

آپ نے قرآن مجید میں اس جہادی لشکر کا قصہ پڑھا ہوگا۔ جس کے امیر حضرت طالوت رضی اللہ عنہ تھے اور اس لشکر کے ایک سپاہی حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام تھے۔ جب یہ لشکر امتحانات کی چھلنیوں سے گزر کر بہت تھوڑی تعداد میں رہ گیا تو اس کا سامنا جالوت کے اس لشکر سے ہوا جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ تب مایوسی کی سرد لہر ان الفاظ میں دوڑا دی گئی۔

لا طاقة لنا اليوم بجالوت و جنوده

آج ہمارے بس میں ہی نہیں کہ ہم جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرسکیں۔ مایوسی کے الفاظ۔ ہڈیوں کا گودا جما دیتے ہیں۔ مایوسی کے کلمات جذبوں کی آگ کو بجھا دیتے ہیں۔ مایوسی کی باتیں۔ انسانوں کے جسم کی قوت سلب کردیتی ہیں اور مایوسی کے جملے ہر طرف بزدلی کی بدبو اور ناکامی کا اندھیرا پھیلا دیتے ہیں۔ ایسے میں اچانک کسی اللہ والے نے ایک آواز لگائی۔ اس اللہ والے کے ساتھ چند اور اللہ والوں نے بھی اپنی آواز شامل کردی۔

كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة

ارے۔ فتح و غلبے کا مالک اللہ ہے، وہ جب چاہتا ہے مٹھی بھر افراد کو بڑے بڑے لشکروں پر غالب کردیتا ہے۔ بس اس ایک جملے نے جذبات کو قوت دے دی۔ نظر کو زمین سے اُٹھا کر آسمان کی طرف پھیر دیا اور امید کی خوشبو ہر سو مہکنے لگی۔ اس خوشبو میں ڈوب کر جب ایمان والوں نے حملہ کیا تو جالوت کا لشکر جھاگ کی طرح پھٹ گیا اور بکھر گیا۔

قرآن مجید میں "جہاد" کو پڑھ لیجئے۔ ماضی کے جہادی واقعات پر نظر ڈال لیجئے آپ کو اسلامی لشکر میں دو طبقے ضرور نظر آئیں گے۔ (1) مثبتین۔ (2) مثبطین۔

دوسرے لفظ کا مطلب پہلے سمجھ لیجئے۔ "مثبطین" وہ لوگ جو مایوسی پھیلاتے ہیں۔ جذبوں کو سرد کرتے ہیں۔ خود بھی بھاگتے ہیں اور دوسروں کو بھی بہکاتے ہیں۔ ان کو "مخذلین" بھی کہا جاتا ہے۔ بزدلی، مایوسی، بددلی، بداطمینانی پھیلانے والے۔ مسلمانوں کو رسوائی اور شکست کے راستے پر ڈالنے والے۔ جمے ہوئے قدموں اور دلوں کو اُکھاڑنے والے۔ دراصل "جہاد" بہت اونچے مقام والی عبادت ہے۔ یہ اسلام کا اہم فریضہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا بہترین وسیلہ ہے۔ یہ تمام اعمال سے افضل عمل ہے۔ یہ مسلمانوں کو عزت اور غلبہ دلانے والا عمل ہے۔ یہ گناہوں کو مٹا کر جنت میں جلد لے جانے والا عمل ہے۔ جب کوئی مسلمان اس عمل میں لگ جاتا ہے تو شیطان۔ اس مسلمان کا نام اپنے دشمنوں کی سب سے اہم فہرست میں لکھ دیتا ہے۔ ایسے آدمی کو گمراہ کرنے کے لئے شیطان اپنے خاص اور ماہر شاگردوں کو متعین کرتا ہے۔ اور چھ طرف سے اس مجاہد پر حملہ آور ہوتا ہے۔ وہ جہادی لشکروں اور جماعتوں میں۔ ایسے افراد چھوڑ دیتا ہے جو ہر وقت مایوسی، بددلی اور پریشانی پھیلاتے رہتے ہیں۔ بے اطمینانی جب کسی دل میں آجاتی ہے تو پھر۔ ایسے دل کا جہاد پر جمے رہنا بہت مشکل ہوجاتا ہے کیونکہ جہاد تو اللہ تعالیٰ کو دل دینے، جان دینے، مال دینے، اور سب کچھ دینے کا نام ہے۔ ایک بے اطمینان شخص کس طرح سے قربانی دے سکتا ہے؟

آپ غزوہ احد سے لے کر جہاد کی پوری تاریخ پڑھ لیں۔ ہر اسلامی لشکر کے ساتھ مثبطین اور مخذلین کا یہ ٹولہ ساتھ ساتھ بندھا نظر آتا ہے۔ غزوۂ احد میں یہ ٹولہ بڑی تعداد میں مسلمانوں کے ساتھ نکلا۔ پھر راستے میں تین سو افراد رُوٹھ کر ٹوٹ کر بھاگ گئے۔

آپ خود سوچیں کہ جب کسی لشکر کا پورا ایک تہائی حصہ ٹوٹ جائے تو اس سے کس قدر مایوسی پھیلتی ہے۔ آج کل کے دور میں تو ایسا

ایک جھٹکا کسی بھی جماعت یا لشکر کو مکمل ختم کرنے کے لئے کافی ہے۔ مگر وہ لشکر بڑا عظیم تھا۔ انہوں نے ان تین سو کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا۔ ہمارا بھاگنے والوں سے کیا تعلق؟ ہم نے اپنا ہاتھ حضرت آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں دیا ہے۔ وہ جب لشکر میں موجود تو پھر ہمارے بھاگنے کا کیا جواز؟ تین سو ''مخذلین'' بھاگ گئے۔ مگر چند ایک اسلامی لشکر میں موجود رہے کہ آگے چل کر جب لڑائی شروع ہوگی تو اس وقت مایوسی اور بددلی پھیلائیں گے۔ انہوں نے اپنا کام آگے چل کر کیا۔ آپ نے واقعہ اُحد میں پڑھا ہوگا۔ مگر الحمد للہ ان کی بھی ایک نہ چلی۔ یہ تو ہوئی مثبطین کے لفظ کی تشریح۔ اب دوسرے لفظ کا مطلب سمجھیں۔

''مثبتین'' یہ وہ اللہ کے بندے ہوتے ہیں۔ جو اسلامی لشکر کو ہمیشہ ثابت قدمی کی طرف بلاتے رہتے ہیں۔ وہ خود بھی ڈٹے رہتے ہیں اور اپنے قول اور عمل سے دوسروں کو بھی ڈٹا رہنے کی ہر وقت دعوت دیتے رہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ان کو ''محرضین'' بھی کہتے ہیں۔ اصل مثبت یعنی ثابت قدمی عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے یہ مخلص بندے اللہ تعالیٰ کے منادی ہوتے ہیں۔ یہ وہ جنتی پھول ہوتے ہیں۔ جن کا ایمان کبھی نہیں مرجھاتا۔ یہ لشکروں کو جوڑتے ہیں۔ ان کا رخ سیدھا رکھتے ہیں۔ اور عین جنگ اور آزمائش کے وقت یہ ثابت قدمی کی آوازیں لگا کر مایوسی اور شکست کو دور بھگاتے ہیں۔ ہم نے اپنی زندگی میں ایسے بعض افراد دیکھے ہیں۔ سبحان اللہ! نور ان کے چہروں سے برستا ہے، اخلاص کی خوشبو ان کی آنکھوں سے ٹپکتی ہے۔ یہ اللہ کے دیوانے بندے ہر لشکر اور ہر سچی جماعت کی جان ہوتے ہیں۔

ایمان والوں کی فتح ایمان کی سلامتی ہے۔ آزمائش اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں پر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ راضی تو مسلمان کی جیت۔ اللہ تعالیٰ ناراض تو مسلمانوں کی شکست۔ حالات کی خرابی سے منافق اپنا نظریہ بدلتا ہے۔ مسلمان تو آزمائش کی آگ میں کود کر پکا مومن بن کر نکلتا ہے۔ دنیا میں نفع، نقصان اور رات دن کے آنے جانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفادار ہو۔ اس کے دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو اپنی پیٹھ اور بزدلی نہ دکھاؤ۔

ماضی کے قصوں میں ہم یہی پڑھتے ہیں کہ بعض پورے پورے لشکر کو ایک بوڑھے شخص نے ثابت قدمی کی آواز لگا کر مایوسی سے بچالیا اور بعض شکست کھاتے لشکروں کو کسی چھوٹے سے بچے نے بلند آواز سے چند قرآن آیات سنا کر فتح کے راستے پر ڈال دیا۔

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے وفادار ہیں۔ وہ مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا یقین رکھتے ہیں۔ وہ ہمیشہ ثابت اور مثبت رہتے ہیں۔ خود بھی ثابت قدم اور دوسروں کو بھی ثابت قدمی کی طرف بلانے والے مگر وہ لوگ جو دنیا کے ادنیٰ اور حقیر مفادات کو اپنا مقصود بنا لیتے ہیں۔ وہ میدان جنگ میں آکر بھی ثابط اور مثبط رہتے ہیں۔ خود بھی بے اطمینان اور دوسروں کو بھی مایوس کرنے والے یہ افراد قربانی دینے سے ڈرتے ہیں اور اگر ان پر تھوڑی سی تکلیف آجائے تو فوراً بدل جاتے ہیں۔

اس وقت مسلمانوں کو ''مثبتین'' کی ضرورت ہے جو خود صابر ہوں اور صبر کی دعوت بھی دیتے ہوں۔ جو خود بھی مشکلات میں جمے رہتے ہوں اور دوسروں کو بھی جمائے رکھتے ہوں۔ یہ لوگ بڑے مقام والے ہوتے ہیں۔ ایسے افراد سے اللہ تعالیٰ بہت عظیم کام لیتا ہے اور ان کے لئے مغفرت، رحمت اور توفیق کے دروازے کھول دیتا ہے آپ چاہیں تو اپنے ایک جملے سے پوری جماعت میں مایوسی اور بددلی پھیلا دیں۔ اور اگر آپ چاہیں تو اپنے ایک جملے سے جماعت میں جذبوں کی بجلی جلا دیں۔

اپنی اپنی قسمت اپنا اپنا کام دعاء کرنی چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ ہم ثابت اور مثبت بنیں۔ کیونکہ یہ لوگ جنت کے پھول ہوتے ہیں کبھی نہ مرجھانے والے۔ کبھی نہ مٹنے والے۔

اللھم ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین۔

ظاہری تراش خراش کا اہتمام

ادارہ

ایک روز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ طلبہ کو مسجد میں بیٹھے پڑھا رہے تھے۔ ان کے گھٹنے میں درد تھا، اس لئے انہوں نے پاؤں پسار کر دیوار سے ٹیک لگا رکھی تھی۔ اسی اثنا میں ایک آدمی خوبصورت لباس اور خوشنما عمامے میں ملبوس باوقار انداز سے قدم قدم چلتا ہوا آیا۔ اپنی تراش خراش سے وہ بہت بڑا عالم فاضل اور بارعب معلوم ہوتا تھا۔ اسے دیکھتے ہی طلبہ نے اس کے لئے جگہ بنائی اور وہ بہ اطمینان ان کے درمیان سے گزر کر امام صاحب کے نزدیک جا بیٹھا۔ امام صاحب نے اس کا وقار اور جاہ وجلال دیکھا تو شرمسار ہوکر پاؤں سمیٹ لئے اور اس کی خاطر گھٹنے کا درد برداشت کرلیا۔ انہوں نے سبق کا سلسلہ جو اس آدمی کی آمد پر منقطع ہوگیا تھا، دوبارہ شروع کیا، وہ آدمی بغور سنتا رہا۔ سبق ختم ہوا تو سوال وجواب کا مرحلہ آیا۔ طلبہ مختلف سوال پوچھنے لگے۔ اس آدمی نے بھی اپنا ہاتھ کھڑا کیا۔ شیخ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت کیا: ''آپ کا سوال کیا ہے؟''

وہ بولا: ''یا شیخ! مغرب کی نماز کا وقت کب ہوتا ہے؟''

انہوں نے دواب دیا: ''جب سورج غروب ہوجائے۔''

اس نے کہا: ''رات کا وقت ہوجائے اور سورج غروب نہ ہو تو پھر؟''

اس پر امام ابوحنیفہؒ نے ہنس کر کہا: لو بھئی! ابوحنیفہ کے پاؤں پھیلانے کا وقت آ گیا۔''

یہ کہہ کر انہوں نے اپنے پاؤں پہلے کی طرح پسار لئے اور اس فضول اور الٹے سوال کا جواب نہیں دیا۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ رات آجائے اور سورج غروب نہ ہو۔

آپ پر پڑنے والی پہلی نظر سامنے والے کے ذہن پر آپ کی شخصیت کے ستر فیصد سے زائد حصے کا عکس ڈال دیتی ہے۔ لیکن نہیں! شاید پہلی نظر سے آدمی کی شخصیت کے پچانوے فیصد حصے کا نقش سامنے والے کے ذہن میں بیٹھتا ہے۔ بات کرنے اور اپنا تعارف کرانے کے بعد یہ تناسب کم یا زیادہ ہوجاتا ہے۔

آپ اسپتال یا دفتر کی راہداری میں چلتے ہوئے بیرونی دروازے کی طرف جا رہے ہوں اور آپ کے پہلو میں کوئی صاحب خوبصورت کپڑوں میں ملبوس آہستہ خرامی سے چل رہے ہوں تو دروازے پر پہنچ کر غیر شعوری طور پر آپ کی طرف متوجہ ہوکر پہلے گزرنے کی پیشکش کریں گے۔ آپ اپنے کسی دوست کے ہاں جائیں اور اس کے کمرے کو بے ترتیب پائیں تو آپ کو فوراً اندازہ ہوجائے گا کہ یہ شخص لاابالی اور بے قاعدہ ہے۔ لوگوں کے لباس اور ان کی تراش خراش سے بھی یہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سماجی زندگی کے اس پہلو پر خصوصی توجہ دیا کرتے تھے۔ آپ عیدین اور جمعہ کی نمازوں میں کپڑوں کا خوشنما جوڑا پہن کر آیا کرتے تھے۔ مدینہ آنے والے وفود کے استقبال و خیر مقدم کے لئے بھی آپ نے ایک خوبصورت جوڑا سلوا رکھا تھا جسے وقتاً فوقتاً پہنا کرتے تھے۔ آپ اپنی تراش خراش اور زیب و زینت کا خیال رکھا کرتے تھے۔ آپ کو خوشبو سے پیار تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ کھلتا ہوا اور چمکدار تھا۔ آپ جھک کر چلتے تھے۔ میں نے ایسا ریشم نہیں چھوا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور نہ آج تک ایسی خوشبو سونگھی ہے جو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے زیادہ اچھی ہو۔

آپ کا ہاتھ ایسا خوشبودار تھا گویا ابھی عطر فروش کے مرتبان سے نکالا گیا ہے۔ جہاں جاتے، پہلے آپ کی خوشبو وہاں پہنچ جاتی اور پتا چل جاتا کہ آپ آ رہے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مزید بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کا تحفہ رد نہیں کیا کرتے تھے۔ آپ کا چہرہ سب سے زیادہ خوبصورت اور سورج کی مانند روشن تھا۔ جب آپ خوش ہوتے تو چہرے سے نور چھلکتا اور وہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

''میں نے ایک چاندنی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا۔ سرخ جوڑا زیب تن تھا۔ میں کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا اور کبھی چاند پر نگاہ ڈالتا۔ زمین کا یہ چاند مجھے آسمان کے چاند سے زیادہ حسین نظر آیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو بھی لباس کی زیب و زینت پر توجہ دینے اور اپنے حلیے کا خیال رکھنے کو کہا کرتے تھے۔

ابوالاحوص کے والد بتاتے ہیں کہ میں گھٹیا درجے کا لباس پہنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے میرے کپڑے دیکھ کر دریافت فرمایا:

''آپ کے پاس مال ہے؟ میں نے کہا: ''جی ہاں۔

آپ نے پوچھا: ''کیسا مال؟ میں نے جواب دیا: میرے پاس اونٹ، گائیں، بکریاں، گھوڑے، غلام سب کچھ ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **فاذا اتاك الله مالا فلير اثر نعمة الله عليك وكرامته.**

''جسے اللہ نے کوئی نعمت عطا کی ہو تو اللہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے بندے پر اس نعمت کے اثرات دیکھے۔''

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ملنے ہمارے گھر آئے۔ وہاں آپ نے ایک پراگندہ حال آدمی کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا:

''کیا یہ شخص کوئی ایسی شے نہیں پاتا جس سے اپنے بال سنوار لے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی دیکھا جس نے میلے کچیلے کپڑے پہن رکھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا اسے پانی نہیں ملتا جس سے یہ اپنے کپڑے دھولے؟

آپ نے فرمایا: ''جس کے بال ہوں وہ ان کا اکرام کرے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لباس کی خوبصورتی اور تراش خراش کا خیال رکھنے کی ترغیب دیا کرتے اور ہمیشہ کہا کرتے تھے:

"ان الله جميل يحب الجمال."

''اللہ حسین و جمیل ہے اور حسن و جمال کو پسند کرتا ہے۔''

تجربہ: آپ پر پڑنے والی پہلی نظر دیکھنے والے کے ذہن میں آپ کی شخصیت کی ستر فیصد حصے کا عکس ڈالتی ہے۔

ضروری اعلان

محترم قارئین کرام!

جن لوگوں کو دفتر کی جانب سے بقایاجات کے خطوط روانہ کئے گئے ہیں، ان سے گذارش ہے کہ جلد از جلد بقایا رقم ادا فرمادیں، اس وقت ادارے کو رقم کی سخت ضرورت ہے نیز اگر رسالہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو، مطلع کردیں تاکہ ادارے کا مزید نقصان نہ ہو۔

جو حضرات دفتر سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ۲/بجے سے شام ۵/بجے تک فون پر رابطہ کرسکتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر بند رہتا ہے۔

دفتر کھلنے کا وقت ۲/بجے سے ۵/بجے تک ہے، دیگر اوقات میں فون نہ کریں۔

رابطہ کیلئے : Mobile : 9415911511

پروفیسر محمد عقیل

وجودِ زن کے مصنوعی رنگ

عورت کا وجود نوع انسانی کی بقاء کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ مردوں کا۔ عورت بہن، بیٹی اور بیوی کے روپ میں ایک نعمت ہے۔ سب سے بڑھ کر وہ ایک ماں ہے جس کی آغوش ایک نومولود کی طبعی ضروریات ہی پورا نہیں کرتی بلکہ اس کی نفسیات پر بھی گہرا اثر ڈالتی ہے۔ لہٰذا ایک ماں کی گود سے ایک بچہ جو کچھ سیکھتا ہے وہ دنیا کی اعلیٰ ترین درسگاہ بھی فراہم نہیں کرسکتی۔ اگر ماں خدا کو بھگوان کے روپ میں پیش کرے تو بعد میں اس بھگوان سے خدائے حقیقی تک پہنچنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا ہے۔ ایک بچہ خیر وشر، شرک وتوحید اور جبر وقدر جیسے دقیق موضوعات سے لے کر صبر وقناعت، سادگی وحیا اور فقر واستغنا جیسے عملی مسائل پر ابتدائی تعلیم ماں ہی سے حاصل کرتا ہے۔

علم کی اس اولین درسگاہ کا اپنا قبلہ ہی درست نہ ہو تو قدرت کے فطری نقشہ میں بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے۔ اس بگاڑ کا عملی نمونہ کبھی دنیا ہٹلر، میسولینی اور چنگیز خاں کی شکل میں انفرادی سطح پر دیکھتی ہے تو کبھی اجتماعی سطح پر قوم لوط، قوم عاد اور ثمود کی صورت میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ خواتین کی طبیعت میں کئی پہلوؤں سے بگاڑ پیدا ہوسکتا ہے مگر اس تحریر میں ہم صرف ایک خاص چیز کی طرف توجہ دلا رہے ہیں یعنی نمود ونمائش کے جذبے میں حد سے بڑھ جانا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ عورتوں میں نمود ونمائش کا جذبہ مردوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ یہ جذبہ اگر اپنی حدود میں رہے تو دنیا کے حسن میں اضافہ کرتا ہے اور اگر ان قیود سے ماوراء ہوجائے تو فساد برپا کرتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں خواتین کی نمود ونمائش کے بے شمار پہلو ہیں لیکن ان کا سب سے نمایاں اظہار ملبوسات اور زیورات کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔

جہاں تک لباس کا تعلق ہے تو اس کا بنیادی مقصد ستر پوشی ہی نہیں بلکہ زینت و آرائش بھی ہے بشرطیکہ اس میں اسراف نہ ہو۔ لیکن اگر ہم خواتین کے طرز عمل کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مطمح نظر اکثر اس سے مختلف ہوتا ہے۔ اکثر خواتین ملبوسات کو مقابلے کے جذبے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی غرض سے بناتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی لباس کو زیب تن کرلیا جائے تو دوسری تقریب کیلئے وہ شجر ممنوعہ بن جاتا ہے۔ پھر اگر کوئی یہ بدعت کر بھی لے تو اسے غربت کے طعنے دے کر راہ راست پر لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لباس جتنا مہنگا ہو، اتنا ہی خاتون کے اعلیٰ ذوق اور اسٹیٹس کا عکاس سمجھا جاتا ہے۔

دوسری جانب زیورات کا شوق بھی خواتین کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ سونا جو کہ انتہائی بے مصرف دھات ہے خواتین ہی کی وجہ سے انتہائی قیمتی بنا ہوا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اسٹیل کی چوڑیاں پہننا عار اور سونے کی چوڑیاں پہننا وقار سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں محض دھاتیں ہیں۔ سونے کی قدر و قیمت کا تعلق قدیم ترین نفسیات سے ہے۔ چنانچہ یہ زیورات تالوں میں بند الماریوں میں پڑے رہتے ہیں۔ اگر کبھی خواتین سے یہ کہا جائے کہ ان زیورات کو کسی منافع بخش مصرف میں استعمال کیا جائے تو ان کے لئے یہ بات بھی قابل قبول نہیں ہوتی۔

خواتین اسی نمود ونمائش کے جذبے کے تحت تقاریب کو رونق بخشتی ہیں۔ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لئے نت نئے لباس پہنے جاتے ہیں۔ منفرد نظر آنے کی خواہش میں لاکھوں روپے کے زیورات بنوائے جاتے ہیں اور پھر اسے مووی میں محفوظ کر کے امر کردیا جاتا ہے۔ لیکن اسی طرز عمل کی بناء پر آمدنی کے ناجائز ذرائع کو فروغ ملتا ہے۔ کرپشن پیدا ہوتا ہے۔ سادگی کی جگہ تصنع و بناوٹ آجاتی ہے۔ معصومیت کے بجائے چالاکی پیدا ہوتی ہے۔ ہمدردی کے بجائے حسد گھر کرلیتا ہے۔ یوں انسانیت کی یہ عظیم ترین درسگاہ بگاڑ کا شکار ہوکر ایک بڑے بگاڑ کو جنم دینے کا سبب بن جاتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ خواتین یہ فیصلہ کریں کہ انہیں اپنی آئندہ نسلوں کو بھی اس جھوٹی شان وشوکت کی ختم نہ ہونے والی جدوجہد میں جھونک دینا ہے یا انہیں سادگی اور وقار کا درس دینا ہے۔ کیونکہ سادگی ہی وہ راستہ ہے جس کے ساتھ کسی شخص کو اپنی شخصیت کی تکمیل کے لئے ظاہری سہاروں کی ضرورت نہیں رہتی۔

اختلاف رائے کی صورت میں ہمارا رویہ

ادارہ

ہم لوگ اختلاف رائے کے آداب سے بالکل ہی ناواقف ہیں۔ بالخصوص کسی دینی اختلاف کے وقت ہمارا پہلا ردعمل یہ ہوتا ہے کہ ہم مخالف کی نیت کے بارے میں فوری شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ شخص کوئی نئی گمراہی پھیلانے کے لئے یا کوئی فتنہ پیدا کرنے کے لئے یہ نقطہ پیش کر رہا ہے۔ بعض لوگ تو اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر دوسرے کے نقطہ نظر پر مثبت انداز میں تنقید کرنے کے بجائے اس کی ذات کو نشانہ بنا لیتے ہیں اور اسے ہر طریقے سے ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ جس مسلک میں ہم پیدا ہو گئے، بس وہی حق ہے اور جو اس کے خلاف نقطہ نظر پیش کر رہا ہے وہ باطل اور گمراہ ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ان لوگوں کا کیا قصور ہے جو ہم سے مختلف نقطہ نظر رکھنے والوں کے گھر پیدا ہو گئے اور اپنے ہی نقطہ نظر کو درست سمجھتے ہیں۔ اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مذہب و مسلک پر نظر ثانی کرتے ہوئے حق کی تلاش کیوں نہ کی تو ہمیں بھی اپنے آبائی مسلک و عقیدے پر بھی ایک حق کے سچے متلاشی کی حیثیت سے نظر ثانی کر لینا چاہئے۔

ہمارا رویہ بالعموم یہ ہوتا ہے کہ اگر مخالف مسلک کا کوئی شخص تحقیق پر آمادہ ہو اور اس کے لئے ہمارے مسلک کو سمجھنا چاہے تو ہم اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں لیکن اگر ہمارے مسلک سے تعلق رکھنے والا کوئی طالب علم دوسرے مسلک کی کتابوں کا مطالعہ بھی شروع کر دے تو ہم ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ مخالف مسلک کی کوئی کتاب پڑھنا یا ان کے کسی عالم کی بات سننا ہی ہمارے نزدیک گمراہی ہے۔ ابتدا ہی سے ہمارے ذہنوں میں یہ داخل کیا جاتا ہے کہ فلاں مشرک ہے، فلاں بدعتی یا فلاں گستاخ رسول ہے۔ اس کی کوئی بات سننا یا اس کی کتاب پڑھنا ناجائز ہے کیونکہ اس سے گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک تو دوسرے مسلک کے کسی شخص کو سلام کرنے یا اس سے مصافحہ کرنے سے ہی نکاح فاسد ہو جاتا ہے۔

ہمارا دین عدل و انصاف کا علمبردار ہے اور اسی کا حکم دیتا ہے۔ کیا دنیا کی کوئی عدالت بھی کسی ملزم کی بات سنے بغیر اسے مجرم قرار دے کر سزا سناتی ہے؟ بدقسمتی سے ہمارے عام مسلمان عدل و انصاف کے علمبردار کہلانے کے ساتھ ساتھ دوسرے مسلک کے لوگوں کی بات سنے بغیر ان کے متعلق کفر، شرک، بدعت اور گستاخی رسول کا فتوی جاری کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ مخالف مسلک کے کسی شخص کو قتل کر دینا کوئی گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔ ایسا کرنے میں کسی مسلک کی تخصیص نہیں بلکہ سب ہی مسالک کے لوگوں میں یہ چیز پائی جاتی ہے۔ اس بات کو سب ہی بھول جاتے ہیں کہ اس طرح وہ عدل و انصاف کا خون کرنے میں مصروف ہیں۔

اختلاف رائے تو بہت معمولی سی بات ہے۔ ذرا غور کیجئے تو قومی دشمنی کے معاملے میں بھی قرآن مجید نے ہماری کیا رہنمائی فرمائی ہے۔ **ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا، اعدلوا ھو اقرب للتقوی (المائدہ:5-8)**

"کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر مجبور نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہ تقوی کے زیادہ قریب ہے۔"

کسی اختلاف رائے کی صورت میں اگر ہم دوسرے کے نقطہ نظر پر تنقید کریں تو اس میں کچھ آداب کا بجا لانا عدل و انصاف اور علم و عقل کے مسلمات کی رو سے انتہائی ضروری ہے۔ منظور الحسن صاحب نے ان آداب کو اس طرح پیش کیا ہے۔

- جس شخص پر تنقید کی جا رہی ہو اس کا نقطہ نظر پوری دیانتداری سے سمجھا جائے۔
- اگر اسے کہیں بیان کرنا مقصود ہو تو بے کم وکاست (یعنی بغیر کسی کمی یا اضافے کے) بیان کیا جائے۔
- جس دائرے میں تنقید کی جا رہی ہے، اپنی بات اسی دائرے تک محدود رکھی جائے۔
- اگر کوئی الزام یا مقدمہ قائم کیا جائے تو وہ ہر لحاظ سے ثابت اور موکد ہو۔
- مخاطب کی نیت پر حملہ نہ کیا جائے، بلکہ استدلال تک محدود رہا جائے۔
- بات کو اتفاق سے اختلاف کی طرف لے جایا جائے نہ کہ اختلاف سے اتفاق کی طرف۔
- پیش نظر ابطال نہیں بلکہ اصلاح ہو۔
- اسلوب بیان شائستہ ہو۔

اگر غور کیا جائے تو شاذ ہی ہماری کوئی تنقید اس معیار پر پورا اترتی ہو۔ ●

محترم مرغوب الرحمٰن سہارنپوری

بسنت اور پتنگ بازی

مضمرات اور مفاسد

ایک انسان جب خالق حقیقی کو اپنا معبود و مسجود مان لے گا تو پھر اس کی تمام ہدایات اور احکامات کو اپنے لئے حرز جان بنالے گا، اس کے اوامر کی تعمیل ہی اس کے لئے باعث نجاح وفلاح ہوگی اور اس معبود حقیقی کے منہیات سے اجتناب ہی میں اس کا تشخص وامتیاز ہوگا اور سعادت و کامرانی کی معراج ہوگی، اوامر ونواہی کی تعمیل اگر ایک موحد کی زندگی سے نکل جائے تو بغیر روح کے جسم کی مانند ایک لاشۂ بے گور وکفن رہ جائے گا۔

آج کے دور میں کچھ ایسا ہی نظر آتا ہے، موسم بہار کی آمد تو نوید جاں فزا لاتی ہے کہ سبزہ زاروں اور مرغ زاروں کی شادابی و ہریالی، نت نئے شگوفوں اور کونپلوں کا وجود خالق اکبر جل مجدہ کی وحدانیت اور خالقیت کو اور آشکارا کرتی ہے، ایک موحد کے ایمان میں تازگی لاتی ہے، لیکن خرافات اور اغیار کی تہذیب و معاشرت سے متاثر ہوکر، خاص طور سے برصغیر کے مسلمان، لایعنی افعال میں منہمک ہوجاتے ہیں اور اللہ و رسول کی ایذارسانی کا باعث بنتے ہیں۔

اغیار کا ایک تہوار بسنت ہے، جو خاص انہیں ایام میں منایا جاتا ہے، پتنگ بازی اس تہوار کی خصوصی علامت ہے، مسلمانوں کی ایک جماعت اس پتنگ میں زور وشور کے ساتھ شرکت کرتی ہے۔

آیئے! دیکھتے ہیں:

اس کے پیچھے کیا ذہن کارفرما ہے؟

غیر مسلم سکھ مؤرخ ڈاکٹر بی. ایس. (Dr. B.S. Nijjar) نے اپنی کتاب ''پنجاب آخری مغل دور میں'' (Punjab under the later Mughals) میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ ''حقیقت رائے باگھ مل پوری، سیالکوٹ کے کھتری کا پندرہ سالہ لڑکا تھا، جس کی شادی پٹالہ کے کشن سنگھ بھٹہ نامی سکھ کی لڑکی کے ساتھ ہوئی تھی، حقیقت رائے کو مسلمانوں کے اسکول میں داخل کیا گیا تھا، جہاں ایک مسلمان ٹیچر نے ہندو دیوتاؤں کے بارے میں کچھ توہین آمیز باتیں کیں، حقیقت رائے نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور اس نے بھی انتقاماً پیغمبر اسلام اور سیدہ فاطمۃ الزہراء کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کئے، اس جرم پر حقیقت رائے کو گرفتار کرکے عدالتی کارروائی کے لئے لاہور بھیجا گیا، اس واقعہ سے پنجاب کی ساری غیر مسلم آبادی کو شدید دھچکا لگا، کچھ ہندو افسر زکریا خان، جو اس وقت گورنر لاہور تھا، کے پاس پہنچے، تاکہ حقیقت رائے کو معاف کردیا جائے، لیکن زکریا خان نے کوئی سفارش نہ سنی اور سزائے موت کے حکم پر نظر ثانی سے انکار کردیا۔ جس کے اجرا میں پہلے مجرم کو ایک ستون سے باندھ کر اسے کوڑوں کی سزا دی گئی، اس کے بعد اس کی گردن اڑادی گئی۔ یہ سال 1734ء کا واقعہ ہے، جس پر پنجاب کی تمام غیر مسلم آبادی نوحہ کناں رہی، لیکن خالصہ کمیونٹی نے آخرکار اس کا انتقام مسلمانوں سے لیا اور سکھوں نے ان تمام لوگوں کو جو اس واقعہ سے متعلق تھے، انتہائی بے دردی سے قتل کردیا، ڈاکٹر صاحب آگے چل کر صفحہ 279 پر تحریر کرتے ہیں کہ ''پنجاب میں بسنت کا میلہ اسی حقیقت رائے کی یاد میں منایا جاتا ہے۔''

کیا ہمارے مسلمان بھائی ان حقائق و واقعات کے سامنے آنے کے بعد بھی گستاخ رسول اور گستاخ جگر گوشہ رسول کو خراج عقیدت پیش کرنے والوں کے شانہ بشانہ پتنگیں اڑا کر گناہ عظیم کے مرتکب ہوتے رہیں گے، ہماری بربادی و تباہی پہلے ہی کیا کم تھی؟ ہم نے غیر قوموں کی تہذیب و ثقافت اپنا کر دینی و دنیاوی ہلاکت کو اپنا مقدر بنالیا ہے، اب ہندو قوم تو بسنت پر پتنگ اڑانے کی بنیاد بھی بھول چکی، مگر مسلمان بسنت منا کر اسلام کی رسوائی کا اہتمام کرتے رہتے ہیں۔

بسنت غیر مہذب، بے دین، بددین، لامذہب قوت کا شیوا ہے، ہمیں کب زیبا دیتا ہے کہ مردود و ملعون، بے ضمیر قوم کے طرز عمل کو اپنا مشغلہ بنائیں، ہمیں تو نعمت عظمیٰ ''ہدایت نامہ انسانیت'' عطا ہوا، تاکہ ہدایت کے روشن چراغ سے دوسری قوم و ملل کے گھرانوں کو روشن کریں، نہ کہ اپنے گھروں کی ایمانی شمع کو گل کر کے ظلمت کدۂ کفر بنالیں۔

ویسے بھی پتنگ بازی بہت سے مفاسد اور گناہوں کا ذریعہ ہے، مثلاً فضول خرچی، دوسروں کو اذیت پہنچانا، جان و مال کا تلف اور ضائع کرنا، ضیاع وقت، آلۂ علم (کاغذ) کی بے حرمتی، شیطانی کام؟ ناگفتی باتوں کا استعمال، جماعت کا چھوٹنا اور بعض مرتبہ تو نماز بھی جاتی رہتی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ نے اصلاح الرسوم میں پتنگ بازی کی جو خرابیاں اور مفاسد بیان فرمائے ہیں وہ قدرے تغیر کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔

پتنگ کے پیچھے دوڑنا: پتنگ کے پیچھے دوڑنے والے کا وہی حکم ہے جو کبوتر کے پیچھے دوڑنے والے کا، جس کی مذمت کے لئے یہی کافی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیچھے دوڑنے والے کو شیطان قرار دیا ہے۔(مسند احمد)

دوسروں کی پتنگ لوٹنا: ہر شخص اس خواہش میں رہتا ہے کہ پتنگ کٹے بعد میں، میرے ہاتھ میں پہلے آجائے، حالانکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے، نہیں لوٹتا کوئی شخص اس طرح کہ لوگ اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہوں اور وہ پھر بھی مومن رہے۔ (بخاری، مسلم)

دوسروں کی ڈور لوٹنا: اس میں پتنگ لوٹنے سے بھی زیادہ قباحت ہے، کیونکہ پتنگ تو صرف ایک آدمی کے ہاتھ آتی ہے، جب کہ ڈور متعدد کے اور وہ سب لوگ گناہگار ہوتے ہیں اور حدیث شریف کے مطابق اڑانے والے کو ان تمام لوگوں کے برابر گناہ ملے گا۔ (مسلم)

دوسروں کو نقصان پہنچانا: ہر پتنگ اڑانے والا اس تگ و دو اور کوشش میں رہتا ہے کہ دوسرے کی پتنگ کاٹ دوں، جس سے اس کا نقصان اور تکلیف ہوتی ہے، شرعی رو سے یہ دونوں باتیں حرام ہیں۔ اس صورت میں دونوں گناہگار ہوں گے۔ (احزاب:58)

آپسی رنجش: جب کوئی کسی دوسرے کی پتنگ یا ڈور لوٹتا ہے تو آپس میں دشمنی اور بغض و عداوت پیدا ہوتی ہے اور شیطان یہی چاہتا ہے کہ آپس میں کڑواہٹ پیدا کردے، جس کی طرف قرآن مجید میں اشارہ موجود ہے۔ (مائدہ:91)

نماز اور یاد الٰہی سے غفلت: جب آدمی پتنگ اڑاتا ہے تو نہ اس کو جماعت یاد رہتی ہے اور نہ نماز، ہر چیز سے بے پرواہ ہو تکٹکی باندھے آسمان پر پتنگوں کو دیکھتا رہتا ہے اور یہی وہ بات ہے جو حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن کریم میں شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی علت میں بیان کی ہے۔ (مائدہ:91)

بے پردگی: بالعموم پتنگ چھتوں پر آزائی جاتی ہے، جس سے اڑوس پڑوس کی بے پردگی اور بے حجابی ہوتی ہے اور ان کو تکلیف ہوتی ہے، یہ بھی حرام کام ہے۔ (نور30-31)

جانی نقصان: جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ اکثر پتنگ بازی چھتوں پر ہوتی

ہے، پتنگ باز پتنگ آسمان میں لگانے کی جستجو میں پیچھے کو ہٹتا رہتا ہے اور پیچھے کے حال سے بے خبر دھڑام سے نیچے جا گرتا ہے۔ اسی طرح پتنگ اور ڈور لوٹنے کے چکر میں سڑکوں گلیوں میں ایکسیڈنٹ ہونا مشاہدے کی بات ہے، جس کی خبریں اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں اور ماں سے زیادہ مشفق مہربان پالنہار رب العالمین نے فرمایا ہے ''اپنی جانوں کو خود ہلاک نہ کرو۔'' (نساء:29)

مشفق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بے منڈیر چھت پر سونے سے بھی منع فرمایا ہے، ممکن ہے وہ چھت سے نیچے گر جائے یا اچانک اٹھ کر چلنے سے نیچے گر پڑے۔

وقت کا ضائع کرنا: پتنگ اڑانے میں بے حساب وقت برباد ہوتا ہے اور لا حاصل ہوتا ہے، حالانکہ قرآن حکیم اور احادیث شریفہ میں متعدد جگہ وقت کی قدر و قیمت پر متنبہ فرمایا ہے اور اس کی حفاظت کرنے کی تلقین کی ہے۔ (الشمس: 3-4، شعب الایمان، للبیہقی)

مشابہت غیر: پتنگ بازی میں غیر قوموں کی نقالی اور ان کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، مخالفین کے رسم و رواج پر عمل پیرا ہونا ہے، جب کہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے تاکیدی اور وعیدی انداز میں اس کی قباحت و شناخت کو یوں بیان فرمایا ہے، جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں ہوگا۔ (ابوداؤد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤ! نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متوالو! عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تن، من، دھن کی بازی لگانے کا دعویٰ کرنے والو! کل روز قیامت آقائے مدنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ شافع محشر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کیسے نصیب ہوگی؟ محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کل حوض کوثر پر چہرۂ مبارک پھیر لیا تو کیا ہوگا؟

ان بہت سارے مفاسد اور نقصانات کے ہوتے ہوئے خالص غیروں کی تہذیب اپناتے ہوئے ہمیں ذرا بھی خیال نہیں آتا کہ ہم خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی امت خیر الامم ہیں؟ قرآن کریم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہمارا شیوہ بتایا ہے، ہمیں حالات و زمانے کی گمراہیاں اور خرابیاں ختم کرنی ہیں اور عظیم الشان کارنامے انجام دینے ہیں، جو خوشنودی الٰہی کا سبب بنیں۔

انسانی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ عظیم کارنامے ہمیشہ انہی لوگوں نے انجام دیے ہیں جو حالات کی رو پر بہنے کے بجائے ان کے مقابلے کے لئے اٹھے ہیں، زندگی پر ان مٹ نقوش انہوں نے نہیں چھوڑے جو مرغ بادنما کی طرح ہوا کے رخ پر مڑتے اور دوسروں کی نقالی کرتے رہے، بلکہ ان لوگوں نے چھوڑے جو ہوا کے رخ سے لڑتے ہیں اور زندگی کے دھارے کو موڑ کر رکھ دیا، قابل تقلید وہ نہیں جو گرگٹ کی طرح صبح و شام بدلتا ہے، بلکہ وہ ہے جو خود کوئی اپنا رنگ رکھتا اور دنیا کو اپنے رنگ میں رنگتا ہے، مسلمان دنیا میں زمانہ کی پیروی کے لئے پیدا نہیں کئے گئے، بلکہ وہ پوری انسانیت کی فلاح و اصلاح کا ذریعہ بنائے گئے ہیں، ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑی ذلت اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ وہ خدا کا نائب، سنت نبوی کا مدعی اور دینی روایات کا امین ہونے کے باوجود جدیدیت کو اپنے دین کے مطابق بدلنے کے بجائے اپنے ہی دین کو مسخ کرنا شروع کر دے، یہ بزدل اور کم نظر لوگوں کا طریقہ ہے، جنہیں ہوائیں خس و خاشاک کی طرح اڑائے پھرتی ہیں اور جن کی اپنی بنیاد نہیں کہ وہ اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہ سکیں۔ مسلمان کا یہ شیوہ ہے کہ:

زمانہ با تو نہ سازد
تو با زمانہ ستیز

ایک روسی کمیونسٹ خاتون کی داستان

میرا نام چیلنگ تھا۔ جب میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے گاؤں میں ہر طرف لال جھنڈوں کو لہراتے ہوئے دیکھا، جن پر ہتھوڑا اور درانتی بنے ہوئے تھے۔ مجھے میرے والدین نے بتلایا کہ ہتھوڑا اور درانتی کمیونسٹ پارٹی کی علامت ہے اور روس میں کمیونسٹوں کی حکومت ہے، جو کسی مذہب کو نہیں مانتے، بلکہ ان کے نزدیک ہتھوڑا اور درانتی مقدس ہیں۔ یہ دونوں چیزیں محنت کشوں کو پیغام دیتے ہیں۔ ہتھوڑا اور درانتی محنت کشوں کو پیغام دیتے ہیں کہ انہیں دن رات محنت کر کے اپنی روزی روٹی کمانی چاہئے، کیونکہ زندہ رہنے کے لئے روزی روٹی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ اگر روزی روٹی میسر نہیں ہوگی تو پھر زندگی بے کار ہے۔ جن لوگوں کے پاس روزی روٹی موجود ہے، وہ خوشحال زندگی بسر کرتے ہیں اور جن کو یہ حاصل نہیں ہے وہ بھوک اور پریشانی کے ساتھ زندگی کے دن پورے کرتے ہیں اور آخر کار بھوک اور غریبی سے تنگ آکر ایڑیاں رگڑتے ہوئے مرجاتے ہیں۔ میرے والدین نے مجھے نصیحت کی تھی کہ تمام عمر مذہب کے قریب نہ جاؤں، چونکہ مذہب افیم کی طرح ہے۔ جیسے افیم کھا کر دماغ بیکار ہوجاتا ہے اور اس میں سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت نہیں رہتی، اسی طرح مذہب کے ماننے والے بھی سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہوجاتے ہیں۔ میں جیسے جیسے بڑی ہوتی گئی، میرے والدین مجھے سمجھاتے رہے کہ میں پیدائشی طور پر کیمونسٹ ہوں اور میرا کام یہ ہے کہ میں کیمونسٹ نظریات پر عمل کرتی رہوں اور اپنی کیمونسٹ تعلیم پوری کرنے کے بعد دنیا میں کیمونسٹ نظریات کے لئے کام کروں، چنانچہ جب میں 18 برس کی عمر کو پہنچی تو مکمل طور پر کیمونسٹ نظریات کی حامی تھی اور میرا یقین تھا کہ کیمونزم ہی دنیا کا سب سے زیادہ کامیاب نظام ہے۔ یہ نظام ہی مزدوروں کو روزی روٹی کا حق دیتا ہے، اگر دنیا سے غریبی اور بھوک کو مٹانا ہے تو اس نظام پر عمل کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ کار نہیں ہے۔

میرے ساتھ لڑکیوں کا ایک گروپ تھا جن کو میری طرح کیمونزم کی تعلیم دی گئی تھی اور ان کو سمجھایا گیا تھا کہ مذہب اور اس کی رسومات ہمارے لئے قابل عمل نہیں ہیں اور ہمیں ان سے ہمیشہ دور رہنا چاہئے، لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ میرے ذہن میں بار بار یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ آخر مذہب کیا ہے۔ مذہب کس کو کہتے ہیں اور ہمیں مذہب کی طرف جانے سے کیوں روکا جاتا ہے۔ جب بھی میں نے اپنی ساتھی لڑکیوں اور لڑکوں سے مذہب کے بارے میں سوال کیا تو سب کا جواب یہی ہوتا کہ انہیں معلوم نہیں کہ مذہب کسے کہتے ہیں۔ کسی چیز کا انکار کرنے سے پہلے جاننا ضروری ہے کہ حقیقت سے انکار کیوں کیا جارہا ہے۔ مجھے اپنے ضمیر کی طرف سے یہ آواز آتی ہوئی سنائی دی کہ میں اپنی ذاتی کوششوں سے مذہب کو سمجھنے کی کوشش کروں، لیکن بڑا سوال یہ تھا کہ کوشش کا آغاز کیسے کیا جائے اور میں کس طرح جانوں کہ مذہب کسے کہتے ہیں، چنانچہ میں نے اپنے سب سے بڑے علاقے چن جاؤ کی لائبریری کی رکنیت حاصل کی، تاکہ مجھے کچھ ایسی کتابیں حاصل ہوجائیں، جن کو پڑھ کر میں مذہب کے بارے میں معلومات کرسکوں، لیکن مجھے سخت تعجب ہوا کہ چن جاؤ کی لائبریری میں کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں تھی، جس کو پڑھ کر میں

اپنے سوال کا جواب تلاش کر سکتی۔ البتہ ایسی بے شمار کتابیں تھیں، جن میں مذہب کو افیم سے تعبیر کیا گیا تھا، لیکن یہ نہیں بتلایا گیا تھا کہ مذہب کس کو کہتے ہیں۔

خوش قسمتی سے مجھے کمیونسٹ نظریات کی نشر و اشاعت کے لئے کمیونسٹ پارٹی کی طرف سے ہدایت دی گئی کہ میں پاکستان جاؤں اور وہاں کی ترقی پسند گروپ کے ساتھ مل کر کمیونسٹ نظریات کے فروغ کے لئے کام کروں۔ مجھے پاسپورٹ فراہم کیا گیا اور میں پاکستان کے لئے روانہ ہوگئی۔ مجھے سمجھایا گیا تھا کہ میں پاکستان میں سیاح کے طور پر رہوں اور وہاں کی کمیونسٹ پارٹی کے لئے خفیہ طور پر کام کروں، چنانچہ میں اپنے مشن کے لئے روانہ ہوگئی اور چند ساعتوں کے ہوائی سفر کے بعد پاکستان پہنچ گئی۔ میرے استقبال کے لئے وہاں چند دوست موجود تھے، جن کے ساتھ میں ایک کامریڈ کے گھر پہنچ گئی۔ یہ وہ علاقہ تھا، جہاں ہر طرف مسلمان موجود تھے۔ مسجدیں تھیں، جہاں سے پانچوں وقت اذان کی آوازیں گونجتی تھیں، ان آوازوں سے میں مانوس نہیں تھی، لیکن شب و روز ان آوازوں کے کانوں میں پہنچتے رہنے کی وجہ سے میری طبیعت میں ایک تبدیلی پیدا ہونی شروع ہوگئی۔ میرے تعلقات بھی وہاں رہنے والے مسلمانوں کے ساتھ آہستہ آہستہ بڑھنے لگے۔ میری سمجھ میں آنے لگا کہ مذہب کیا ہوتا ہے۔ پہلی مرتبہ مجھے خدا کے بارے میں مسلمانوں کے ذریعہ معلومات حاصل ہونے لگیں اور تب میں نے جانا کہ اللہ کسے کہتے ہیں اور کلمہ کیا ہوتا ہے۔

مجھے معلوم نہیں تھا کہ میری زندگی میں ایک بڑی تبدیلی آنے والی ہے اور میں الحادی زندگی سے ایمانی زندگی کی طرف سفر شروع کرنے والی ہوں۔ مجھے بھیجا اسی لئے گیا تھا کہ میں پاکستان پہنچ کر اشتراکیوں کے ساتھ کام کروں گی اور کمیونسٹ نظریات کو پھیلاؤں گی، لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ مسلمانوں کے درمیان پہنچ کر میں اسلام سے متاثر ہو جاؤں گی اور آخرکار اسلام قبول کرلوں گی۔

واقعات کا تسلسل یہ ہے کہ مجھے مسلمانوں میں کام کرنے والے ایسے مبلغ ملتے رہے، جن سے میری مذہبی معلومات بہت گہری ہوتی گئیں اور میں نے جان لیا کہ یہ دنیا خود بخود پیدا نہیں ہوئی ہے، بلکہ اس کو پیدا کرنے والی ایک ذات ہے، جس کو اللہ کہتے ہیں۔ مجھے سمجھایا گیا کہ دنیا کا کوئی کام خود بخود نہیں ہوجاتا، بلکہ اللہ رب العزت کی مرضی کے بغیر کوئی کام اپنے آپ انجام کو نہیں پہنچتا۔ ایک نوجوان محمد ہادی حسن نے مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ روزی روٹی انسان کی زندگی کا مقصد نہیں، بلکہ روزی روٹی تو بہرحال میسر آ ہی جاتی ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ انسان اپنے خالق کو پہچانے اور اس نے زندگی گزارنے کے لئے جو راستے بتلائے ہیں، ان پر عمل کرے۔ ہتھوڑا اور درانتی زندگی کی علامت نہیں بن سکتے۔ یہ انسان کے ایمان کا جز نہیں بن سکتے۔ انسان کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کی عبادت کرے۔ انسان کو اشرف المخلوقات اسی لئے بنایا گیا ہے، تاکہ وہ اللہ کی معرفت حاصل کرے، ورنہ تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق ہی نہیں رہتا۔

محمد ہادی حسن نے مجھے بتلایا کہ کمیونزم میں روٹی کپڑا اور مکان کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اس کے آگے کچھ اور بھی ہوسکتا ہے، اس کی خبر ملحدوں کو نہیں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ روٹی کپڑا اور مکان زندگی کی منزل ہے، لیکن زندگی کا یہ تصور نہایت گھٹیا درجہ کا ہے۔ اسلام اس کو قبول نہیں کرتا۔ اسلام زندگی کی اعلیٰ قدروں میں یقین رکھتا ہے۔ روزی روٹی اور مکان کے لئے تو دوسرے جاندار بھی فکرمند رہتے ہیں۔ آدمی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اونچی صفات کے ساتھ زندگی بسر کرے اور وہ جانوروں کی طرح روزی روٹی اور مکان کے لئے پریشان نہ رہے۔ یہ تمام چیزیں تو اللہ کی طرف سے عطا کی جاتی ہیں۔ اس لئے آدمی کو اپنی تمام ضرورتوں کے لئے اپنے قادر مطلق کے آگے ہی سر جھکانا چاہئے۔

مذہبی ماحول میسر آنے پر مجھے معلوم

ہوا کہ زندگی ہتھوڑا اور درانتی پر ہی ٹکی ہوئی نہیں ہے، بلکہ اس کا دار و مدار اخلاقی قدریں ہیں، جس پر عمل کرکے آدمی خود کو ایک مکمل انسان بنا سکتا ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی تکلف نہیں ہے کہ محمد ہادی حسن کی گفتگو نے میری طبیعت پر گہرا اثر ڈالا اور میں سوچنے لگی کہ اگر محمد ہادی حسن کے ساتھ میری شادی ہو جائے تو کتنا اچھا ہو۔ تمام چیزیں چونکہ مقدر کے مطابق ہوتی ہیں، اللہ نے میری تقدیر میں لکھ دیا تھا کہ میں الحاد کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو جاؤں گی۔ اس لئے محمد ہادی حسن نے ایک دن مجھ سے شادی کی تجویز پیش کردی، لیکن اس نے یہ شرط عائد کردی کہ مجھے حلقہ بگوش اسلام ہونا پڑے گا۔ میں تو چاہتی تھی کہ کسی طرح اسلام کی دولت کو اپنے دامن میں سمیٹ لوں اور دنیا میں ایک مسلمان نام کے ساتھ اپنی شناخت قائم کروں۔ اللہ نے میری مشکل آسان کردی، میں نے کلمہ شہادت پڑھ کر ایمان قبول کرلیا۔ میرا نام آمنہ رکھا گیا۔ آج میں آمنہ ہادی حسن کے نام سے مشہور ہوں۔ اب میں پاکستان میں نہیں ہوں، بلکہ اپنے شوہر کے ساتھ برطانیہ میں اسلامی شعائر کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہوں۔ یہ بتلانا ضروری ہے کہ اسلام ایک سچا مذہب ہے، جس کو اللہ نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ دنیا والوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ اسلام کے علاوہ جتنے مذاہب دنیا میں موجود ہیں، وہ سب منسوخ ہو چکے ہیں۔ اب آخر میں کوئی دین یا مذہب باقی بچا ہے تو اس کا نام اسلام ہے۔ اللہ کا شکر ہے اس نے مجھے اندھیرے سے روشنی کی طرف بھیج دیا ہے۔ مجھے اللہ نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی عطا کردیئے ہیں اور میں آرام وسکون کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہوں۔ جو لوگ حق کی تلاش میں محنت کرتے ہیں، ان کو حق کی دولت حاصل ہو جاتی ہے۔ خدا کرے کہ حق کی یہ دولت اس زمین پر رہنے والے تمام لوگوں کو حاصل ہو جائے۔ (آمین)

پردہ پوشی

حضرت سعید بن مسیب جلیل القدر تابعی اور دنیائے اسلام کے امام اور مقتدیٰ مانے جاتے تھے، وہ اگرچہ احکام خداوندی کے باب میں بڑے سخت گیر تھے، لیکن کسی کے گناہ کی پردہ دری پسند نہ کرتے تھے اور خود دوسروں کو بھی پردہ پوشی کی تلقین کرتے تھے۔ ابن خرملہ کا بیان ہے کہ ایک دن، میں صبح کو باہر نکلا تو ایک شخص کو نشہ کی حالت میں پایا، اس کو زبردستی اپنے گھر گھسیٹ لایا، اس کے بعد سعیدؒ سے ملاقات ہوئی۔ ان سے میں نے پوچھا: ایک شخص نے ایک شخص کو نشہ کی حالت میں پایا، اس صورت میں وہ کیا کرے؟ اس کو حاکم کے سپرد کرکے اس پر حد جاری کرائے؟ ابن مسیب نے جواب دیا: ''اگر تم اس کو اپنے کپڑے سے چھپا سکو تو چھپالو۔'' یہ سن کر میں گھر واپس آیا، اس وقت وہ شخص ہوش میں آچکا تھا، مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے پر شرمندگی طاری ہوگئی، میں نے اس سے کہا کہ: ''تم کو شرم نہیں آتی، اگر تم صبح اس حالت میں پکڑ لئے جاتے اور تم پر حد جاری کی جاتی تو لوگوں کی نگاہوں میں تمہاری کیا آبرو رہ جاتی، تم زندگی ہی میں مردہ ہو جاتے، تمہاری شہادت تک قبول نہ کی جاتی۔'' یہ نصیحت سن کر اس شخص نے کہا: ''خدا کی قسم آئندہ کبھی ایسا نہ کروں گا، اس پردہ پوشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کے لئے تائب ہوگیا۔'' (طبقات ابن سعد۔ ج 101/5) برائیوں سے روکنے کے لئے جہاں تک ہو سکے حکمت اور دانشمندی سے کام لینا چاہئے، بہت سے لوگ غلط ماحول اور غلط تربیت کی بنا پر برائیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ایک مصلح اور ہمدرد کو اس نقطہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے، پھر پردہ پوشی بھی ایک اچھا وصف ہے، اس کے نتائج بھی بسا اوقات اچھے نکلتے ہیں۔